کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

ناشر: مکتبۃ الفقیر
223 سنّت پورہ مین بازار فیصل آباد۔ فون: 618003

نام کتاب ——— کتنے بڑے حوصلے پروردگار کے

ازافادات ——— [illegible]

مرتب ——— محمد حنیف نقشبندی مجددی

ناشر ——— مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد

اشاعت اول ——— اگست 1998ء

اشاعت دوم ——— جون 1999ء

اشاعت سوم ——— جنوری 2000ء

اشاعت چہارم ——— مئی 2001ء

اشاعت پنجم ——— اپریل 2002ء

اشاعت ششم ——— اپریل 2003ء

اشاعت ہفتم ——— اپریل 2004ء

اشاعت نہم ——— نومبر 2004ء

اشاعت دہم ——— جون 2005ء

اشاعت گیارہ ——— نومبر 2005ء

اشاعت بارہ ——— مئی 2006ء

کمپیوٹر کمپوزنگ ——— ڈاکٹر شاہ محمود نقشبندی

تعداد ——— 1100

فہرست

☆☆☆☆☆

کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ، اَمَّا بَعْدُ !

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰہِ o

وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ اٰخَرُ

یٰاَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ o

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o وَ سَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o

وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ o

گناہ کسے کہتے ہیں؟

وَذَرُوْا ظَاھِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَہٗ چھوڑ دو وہ گناہ جو تم ظاہر میں کرتے ہو یا پوشیدہ کرتے ہو۔ گناہ ہر اس عمل کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکموں اور نبی اکرم ﷺ کے طریقوں کے خلاف ہو۔ وہ گناہ انسان جسم کے ظاہری اعضاء سے کرے یا باطن سے مثلاً حسد، لالچ، بغض، کینہ، جھوٹ، غیبت اور بدخواہی وغیرہ، کھلم کھلا کرے یا چھپ کر کرے، اس کے چھوڑنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ جب تک انسان گناہ نہیں چھوڑے گا تب تک وہ اولیاء اللہ میں شمار نہیں ہوگا۔ ایک بات سنئے اور دل کے کانوں سے سنئے کہ جو انسان اپنے علم اور ارادے کے ساتھ گناہ کرنا چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے صدیقین میں شامل فرما لیتے ہیں۔ بے علمی اور بغیر ارادہ کے گناہ ہو جائے تو

پروردگار عالم معاف فرمادیا کرتے ہیں۔

گناہ کی حقیقت

گناہ کا آغاز مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہوتا ہے اور انجام جہاز کے لنگر کی طرح مضبوط ہوتا ہے۔ یعنی شروع میں انسان سوچتا ہے کہ ایک دوبار گناہ کر کے پھر چھوڑ دوں گا مگر آج اور کل کرتے کرتے گناہ کی عادت اتنی پختہ ہو جاتی ہے جسے بعد میں چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ گناہ آکاش بیل کی طرح ہوتا ہے جو انسان کو اپنے گھیرے میں لے لیا کرتا ہے۔ آپ نے چلتے پھرتے بعض درختوں پر پیلی سی بیل دیکھی ہوگی، وہ اس پورے درخت کو اس طرح اپنے قابو میں لے لیتی ہے کہ درخت کی نشوونما رک جاتی ہے۔ اسی طرح گناہ کرتے کرتے انسان کی روحانی نشوونما رک جاتی ہے۔ گناہ کی مثال ناسور کی مانند ہے۔ ناسور اگر رہے تو تکلیف دیتا ہے اور اگر علاج نہ کریں تو وہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ حافظ ابن قیمؒ ایک عجیب بات لکھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ اے دوست! گناہ کرتے ہوئے یہ نہ دیکھ کہ چھوٹا ہے یا بڑا ہے بلکہ اس پروردگار کی عظمت کو دیکھ جس کی تو نافرمانی کر رہا ہے۔ یہ گناہ انسان کے روحانی لباس پر دھبے ہوتے ہیں۔ جیسے انسان کو ظاہر کے لباس پر دھبہ اچھا نہیں لگتا اسی طرح اللہ تعالیٰ کو روحانی لباس داغدار اچھا نہیں لگتا۔

پریشانی والا راستہ

یاد رکھئے کہ گناہ کسی نہ کسی صورت میں انسان کے دل کو پریشان رکھتا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ انسان گناہ کرے اور اسے ہمیشہ ہمیشہ کا سکون نصیب ہو جائے۔ خواہ وہ گناہ بدنظری کا ہو، غیبت کا ہو، حرام کھانے کا ہو، زنا کا ہو، کسی کو قتل کرنے کا ہو، کسی کو دھوکا دینے کا ہو، کسی آدمی کی چغلخوری کرنے کا ہو۔ آج کل سکون حاصل کرنے کے لئے گناہوں کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے اور پھر شکوے کیے جاتے ہیں کہ جی پریشانی

بہت ہے۔ بھئی! پریشانی کیسے نہ ہو، جس راستہ پر آپ قدم اٹھا رہے ہیں وہ تو ہے ہی پریشانی والا راستہ، سکون والا راستہ تو پروردگار کی یاد والا اور سچی اور سچی زندگی گزارنے والا راستہ ہے۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو گناہوں سے بچائے۔ اور اپنی گزشتہ غلطیوں اور کوتاہیوں کی اللہ رب العزت سے معافی مانگے۔

اللہ تعالیٰ کی شان کریمی

کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے انتہائی محبت ہے اس لئے وہ نہیں چاہتے کہ اس کے بندے گناہوں والے راستے پر اور تباہی و بربادی والے راستے پر چلیں۔ وہ اپنے بندوں کو اس راہ پر جانے سے بار بار متنبہ کرتے رہتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ میرے بندے گناہوں بھری زندگی کو چھوڑ کر اطاعت وفرمانبرداری والی زندگی اختیار کرلیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے دریا کو وسیع کر دیا کہ میرے وہ بندے جنہوں نے گناہ کر لیے وہ لوٹ آئیں اور مجھ سے توبہ کرلیں، میں انہیں معاف کر دوں گا۔

اسماء الحسنی ''رحمٰن،، اور ''رحیم،، کے علوم ومعارف

اللہ رب العزت کے دو صفاتی نام ہیں ایک رحمٰن اور دوسرا رحیم۔ دونوں کا ماخذ اور بنیاد رحمت ہے۔ لہٰذا یوں بات سمجھ میں آتی ہے کہ رحمٰن کا لفظ بھی کافی تھا یا رحیم کا لفظ ہی کافی تھا۔ ایک ہی صفت سے متعلق یہ دو نام اللہ رب العزت نے کیوں پسند فرمائے۔ علمائے کرام نے اس کے علوم ومعارف بیان کئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ رحمت کا ہونا ایک صفت ہے اور رحمت کا بے انتہا بے دریغ خرچ کرنا دوسری صفت ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ دولت مند ہونا ایک صفت ہے کہ وہ صاحب مال ہے، اس کے پاس دولت موجود ہے اور اس کا سخی ہونا کہ وہ اس دولت کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر نیکی کے راستے میں لٹا بھی رہا ہے۔ یہ علیحدہ صفت ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا

کہ کئی لوگ بڑے سخی ہوتے ہیں۔ مگر ان کے پاس دینے کے لئے کچھ نہیں ہوتا اور بسا اوقات ایک آدمی کے پاس مال و دولت بہت زیادہ ہوتا ہے مگر دینے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔ وہ سانپ کی طرح اس پر نگران بنا ہوتا ہے۔

اب اس مثال کو ذہن میں رکھتے ہوئے سوچئے کہ پروردگار عالم کے پاس رحمتوں کے خزانوں کا ہونا ایک خوبی ہے اور اس کی رحمتوں کے خزانوں کا بے دریغ خرچ ہونا ایک مستقل دوسری خوبی ہے۔ اس لئے رب کریم نے اپنے لئے دو نام پسند فرمائے۔ اسی لئے تو پروردگار عالم فرماتے ہیں کہ اِنَّ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ میری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے، ہر چیز سے اس کی رحمت زیادہ ہے۔

گنہگاروں سے اللہ تعالیٰ کا محبت بھرا خطاب

میرے دوستو! ہمارے گناہ میرے اور آپ کے لئے بڑے اور زیادہ ہیں لیکن بخشنے والے کے لئے تو وہ بڑے اور زیادہ نہیں ہیں۔ رب کریم تو بار بار ارشاد فرما رہے ہیں نَبِّیْٔ عِبَادِیْ اَنِّیْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ میرے بندوں کو بتادو کہ میں بڑا ہی مغفرت کرنے والا بڑا ہی رحمت کرنے والا ہوں۔ سبحان اللہ، انداز بیان دیکھئے، جیسے ایک سخی اپنا مال خرچ کرنے کا ارادہ کرے اور اپنے کسی غلام یا نمائندے سے کہے کہ لوگوں کو بلاؤ تو اسوقت لوگوں کو اطلاع دینے کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ کہ میں اپنے مال کو لٹانا چاہتا ہوں اس لئے لوگوں کو بتادو۔ بالکل وہی انداز یہاں اپنایا اور یہ نہیں فرمایا کہ لوگوں کو بتادو، یا انسانوں کو بتادو، یا بندوں کو بتادو بلکہ فرمایا نَبِّیْٔ عِبَادِیْ میرے بندوں کو بتادو۔ اب یہ جو "میرے" کا لفظ ہے اس میں اور زیادہ حسن پیدا فرما دیا ہے، سبحان اللہ، کلام میں کیا ہی مزہ پیدا فرما دیا ہے۔

اب بتایئے کہ جو اتنا کریم آقا ہو، جو اپنے بندوں کو اطلاعات بھجوا رہا ہو، اپنے نبیوں کی زبان سے کہلوائے میرے بندوں کو بتادو کہ میں مغفرت کرنے والا ہوں،

میں رحمتیں برسانے والا ہوں تاکہ وہ مغفرت اور رحمت سے حصہ پاسکیں، اس کی رحمت کتنی وسیع ہوگی۔ ایسی رحمت سے اگر انسان فائدہ نہ اٹھائے تو یہ انسان کا اپنا قصور ہے۔ بلکہ فرمادیا کہ اگر میری رحمت سے فائدہ نہ اٹھاؤ گے تو یاد رکھنا کہ وَ اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ تو میرا عذاب بھی دردناک ہوگا۔

اللہ رب العزت نے فرمایا! اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ تم مجھ سے دعا کرو گے تو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ یعنی اے میرے بندو! مانگنا تمہارا کام ہے اور قبول کرنا میرا کام ہے۔ لیکن افسوس کہ بندہ پھر بھی نہیں مانگتا اور در چھوڑ کر کہیں اور بھاگا جا رہا ہوتا ہے۔ گناہوں کے پیچھے ٹوٹ پڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے اس جاتے ہوئے بندے سے بھی مایوس نہیں ہوتے۔ اسے بھی فرماتے ہیں۔ یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ اے میرے بندے! تجھے تیرے کریم آقا سے کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا۔ کہ تو میرا در چھوڑ کر کسی اور در پر کیوں جا رہا ہے۔ اللہ اکبر، کتنی محبت ہے اسے اپنے بندوں سے کہ اس در کو چھوڑ کر جاتے ہوئے بندے کو بھی بلا رہیں۔ یہاں اللہ رب العزت اپنے آپ کو کریم فرما رہے ہیں۔ کریم وہ ہوتا ہے جس میں کرم ہو اور کریم کی کرم والی صفت میں بہت زیادہ عفو و درگزر ہوتا ہے۔ کریم کا کام ہی یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو عطا کرے۔ اسی لئے ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ بندہ جب اپنی دعا میں یا کریم! یا کریم! یا کریم! تین مرتبہ کہتا ہے تو وہ بندہ اللہ تعالیٰ کو اتنا پیارا لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اس کی دعا قبول فرما لیتے ہیں اور اس بندے سے کہتے ہیں اے میرے بندے! تو مجھے بار بار "یا کریم" کہہ رہا تھا، تو دنیا میں میرا اکرم کیا دیکھے گا تو جلدی میرے پاس جنت میں آجا، میں وہاں تجھے اپنے کرم سے اپنا دیدار کرادوں گا۔ اور یہ بھی یاد رکھئے کہ جب کریم کوئی چیز دیتا ہے تو وہ پھر واپس نہیں لیا کرتا۔

ایک بزرگ بڑے پریشان رہتے تھے کہ میں اپنی طرف سے اعمال تو کر رہا

ہوں مگر پتہ نہیں کہ میرا خاتمہ کیسا ہوگا۔ ایک رات نیند آئی خواب میں نبی اکرم ﷺ
کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ کیوں اتنا پریشان ہوتے ہو؟ عرض کیا،
اے اللہ کے نبی ﷺ! مجھے کیا پتہ کہ میرا ایمان میرے پاس محفوظ رہے گا یا نہیں رہے
گا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، سن لے کہ اللہ تعالیٰ کریم ہیں اور کریم سے یہ بعید ہے کہ
وہ کوئی نعمت عطا کرنے کے بعد واپس لے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ایمان اور اعمال کی
نعمت عطا کر دی ہے تو یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ موت تک تیرے ایمان کی حفاظت
فرمائیں گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر انسان شریعت و سنت پر استقامت سے
زندگی گزار رہا ہو تو گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں، پروردگار بڑا مہربان ہے۔

دیکھیں، کوئی آدمی اپنے نافرمانوں کو بھی محبت سے بلاتا ہے؟ کوئی نہیں بلاتا،
بلکہ غصہ سے بلاتے ہیں۔ مگر رب کریم کا معاملہ ہی عجیب ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں
ہم گنہگاروں کا تذکرہ بھی بڑے عجیب الفاظ سے اپنے محبوب ﷺ کے ذریعہ سے
یوں فرمایا، قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ آپ فرما دیجئے میرے
ان بندوں سے جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔ سبحان اللہ تذکرہ بھی ان لوگوں کا جو
جانوں پر ظلم کرتے رہے، اے پروردگار عالم! تیری رحمت پہ قربان جائیں کہ خطاب
کرتے ہوئے آپ نے اجنبیت اور بے تعلقی کا احساس نہیں ہونے دیا، آپ نے
ان سے رخ نہیں پھیرا اور صرف یہ نہیں کہا کہ بندوں یا لوگوں سے کہہ دو بلکہ فرمایا
''عِبَادِیْ'' میرے بندوں سے۔ کیا فرما دیجئے؟ کہ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ
اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جانا اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اللہ تعالیٰ سب
گناہوں کو معاف کرنے والے ہیں۔ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ وہ تو بڑی مغفرت
کرنے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔

کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے

اے رب کریم! آپ گنہگاروں کو بھی خطاب کرتے ہوئے اپنے بندوں کے

نام سے خطاب فرما رہے ہیں۔ آپ کی اتنی رحمتیں، آپ کے اتنے کرم، ہم قربان
جائیں آپ کی رحمتوں پر آپ کی بخششوں پر اور آپ کی عطا پر کہ ادھر سے پیہم گناہ
اور آپ کی رحمت کی طرف سے تکرار کہ اے میرے بندو! اب بھی میرے در پر آجاؤ
اور توبہ کر لو، میں تمہاری توبہ قبول کر لوں گا۔

شیطان کی تخلیق کی وجہ

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اتنے کریم اور مہربان ہیں تو پھر
شیطان کو پیدا ہی کیوں کیا، اپنے بندوں کو اپنی نعمتیں ویسے ہی دے دیتے۔ اس میں
حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ چاہتے تھے کہ میرے بندے شیطان کے پیچھے لگ کر اگر کوئی
گناہ کرنے کے بعد مجھ سے معافی مانگیں گے تو میری عفو و درگزر والی صفت کا اظہار ہو
جائے گا۔ ویسے بھی نعمتیں دے سکتے تھے، پھر معاف کیسے کرتے؟ غفور کیسے کہلاتے؟
عفو کیسے کہلاتے؟ ان صفات کا اظہار ہی اسی طرح ممکن تھا کہ شیطان ہوتا، یہ بہکاتا
ورغلاتا اور گناہ کرواتا، پھر بندہ نادم و پشیمان ہو کر معافی مانگتا اور اللہ تعالیٰ فرماتے،
اچھا، اے میرے بندے! تو گناہ کر بیٹھا، میں بخشنے والا ہوں، جا میں نے تیرے گناہ
معاف کر دیئے ہیں۔ اسی لئے شیطان کو پیدا کیا گیا تا کہ میری تمام صفات کا اظہار ہو
سکے اور میرے بندے میری معرفت حاصل کر سکیں۔ اسی لئے فرمایا کُنْتُ کَنْزًا
مَخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ میں نے اس کو پسند کیا کہ مجھے پہچانا جائے۔ وَ
خَلَقْتُ الْخَلْقَ میں نے مخلوق کو پیدا کر دیا۔

تعوُّذ میں اسم ذات کیوں؟

اب ایک اور بات ذہن میں رکھیئے کہ جب بھی قرآن مجید پڑھیں اس وقت
تَعَوُّذ لازمی پڑھنا چاہئے۔ تعوُّذ کو اِسْتِعَاذَہ بھی کہتے ہیں۔ جس کا مطلب ہے اللہ
تعالیٰ کی پناہ مانگنا شیطان مردود سے۔ اللہ تعالیٰ نے تعوُّذ میں اپنا ذاتی نام استعمال

کیا۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ کی جگہ اَعُوْذُ بِالرَّحِیْمِ نہیں کہا، بِالْکَرِیْمِ نہیں کہا، بِالرَّحْمٰنِ نہیں کہا، اس میں یہ حکمت تھی کہ شیطان اللہ تعالیٰ کا ذاتی دشمن ہے۔ ذاتی دشمن سے اپنے بندوں کو بچانے کے لئے اپنا ذاتی نام استعمال کیا کہ میرے بندے! میرا ذاتی نام لے کر تو پناہ مانگے گا تو میں اس دشمن سے تیری حفاظت فرمادوں گا۔ تعوذ کے بعد تسمیہ پڑھا جاتا ہے۔ تسمیہ میں دو صفاتی نام استعمال ہوئے اور وہ دونوں رحمت سے متعلق۔ کیا مطلب؟ اس کا مطلب یہ تھا کہ جب تم تعوذ پڑھو گے تو برائیوں کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور جب تم تسمیہ پڑھو گے تو نیکیوں کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔

شیطان کی شامت آجائے گی

ایک اور طالبعلمانہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب شیطان اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو پھر اللہ رب العزت رحیم و کریم ہونے کے باوجود اسے بندے پر کیوں مسلط کر دیتے ہیں؟ جس کا ذکر قرآن میں بھی ہے کہ وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ اور جو رحمٰن کی یاد سے آنکھ چرائے نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطَانًا ہم اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں۔ فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ وہ ان کا ساتھی بن جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ شیطان انسان پر مسلط ہو کر گناہ کرواتا ہے اس لئے قرآن پاک میں جہاں کہیں کسی بھول یا غلطی کا تذکرہ ہوا وہاں شیطان کی طرف نسبت کر دی گئی۔ کہیں فرمایا فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ کہیں فرمایا، وَمَا اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ کہیں فرمایا، هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ کہیں فرمایا، مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ اس طرح ساری بھول چوک شیطان کے کھاتے میں ڈال دی گئی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے نام رحمتوں بھرا ایک پیغام ہے کہ اے میرے بندے! شیطان ہی مسلط ہو کر گناہ کرواتا

ہے، اگر تو میرے در پر آ کر معافی مانگ لے گا اور میں معافی عطا کرنا چاہوں گا تو میں یہی کہوں گا کہ یہ گناہ میرے بندے نے نہیں کئے یہ شیطان نے پھونک مار کر کروائے تھے۔ اس لئے میں تیرے سارے گناہ شیطان کے ''پیٹے'' میں ڈال دوں گا اور تجھے اپنی رحمت سے معاف فرمادوں گا۔

دو آیات کے علوم و معارف

یہاں ایک اور بات ذہن میں پیدا ہوتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں خود ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ جو میرے بندے ہیں ان پر شیطان قابو نہیں پا سکتا، ان کو بہکا نہیں سکے گا، ان کو راستے سے بھٹکا نہیں سکے گا، اسے ان پر غلبہ ہی حاصل نہیں ہوگا۔ اور دوسری جگہ فرماتے ہیں قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ آپ کہہ دیجئے، اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اب غور کیجئے کہ ''عِبَادِی'' کا لفظ یہاں بھی اور ''عِبَادِی'' کا لفظ وہاں پہلے والی آیت میں بھی ہے۔ اس آیت میں ''عِبَادِی'' کا لفظ بتا رہا ہے کہ انہوں نے جانوں پر ظلم کیا اور پہلے والی آیت میں لفظ ''عِبَادِی'' بتا رہا ہے کہ شیطان مسلط نہیں ہو سکتا تو پھر معاملہ حقیقت میں ہے کیا؟

مفسرین نے اس کا جواب لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ شیطان اچھے اچھے لوگوں سے بھی بسا اوقات گناہ کروا لیتا ہے مگر پروردگار فوراً ان کو توبہ کی توفیق بھی عطا فرما دیتے ہیں اور یوں بنا دیتے ہیں جیسے انہوں نے گناہ کیا ہی نہیں۔ ہاں کبھی ایسا نہیں ہوگا کہ یہ شیطان ان بندوں سے کوئی ایسا گناہ کروا دے جو پروردگار کے ہاں ناقابل معافی ہو۔ یہ کبھی ممکن ہی نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ مومن جس نے کلمہ پڑھ لیا اب اگر وہ اللہ تعالیٰ کے در پر جھکتا رہے گا تو شیطان اس سے کوئی ایسا گناہ نہیں کروا سکتا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ناقابل معافی ہو۔ ناقابل معافی جرم تین ہی ہیں۔ یا تو

انسان کفر کر لے، یا شرک کر لے اور یا منافق ایسا ہو جو بالکل دین سے خارج ہو۔ پروردگار عالم ان بڑے بڑے گناہوں سے اپنے ان بندوں کو بچا لیتے ہیں۔ گویا شیطان کو بتا دیا کہ اے شیطان! تجھے وہ قدرت حاصل نہ ہو گی کہ تو انہیں میری حدود سے ہی نکال کر لے جائے۔ کبھی بھی ایسا نہیں ہوگا۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہوگا کہ ان سے کوئی چھوٹی موٹی غلطی کوتاہی ہوتی ہی نہیں۔ البتہ جب کوئی ایسی غلطی ان سے سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ اولیاء اللہ گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں۔

گنہگار کو کافر نہیں کہہ سکتے

اب یہاں ایک بات اور بھی ذہن میں رکھئے کہ قرآن پاک کی سورۃ یسین میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اے بنی آدم! کیا ہم نے تم سے عہد نہیں لیا تھا اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ کہ تم شیطان کی عبادت نہیں کرو گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شیطان کے راستے پر چلے وہ حقیقت میں شیطان کی عبادت کرتا ہے، عبادت کا نام لیا گیا۔ ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کے بارے میں فرماتے ہیں اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ انہوں نے اپنے علماء و مشائخ کو اللہ کے ساتھ شریک بنا لیا۔ اور پھر فرمایا کہ یہ ان کی عبادت کیا کرتے تھے۔ حضرت کعب احبار ؓ مسلمان ہوئے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، آپ اپنے علماء کی عبادت کیوں کیا کرتے تھے؟ وہ کہنے لگے، اے اللہ کے نبی ﷺ! ہم ان کی عبادت تو نہیں کیا کرتے تھے۔ فرمایا، اچھا یہ بتاؤ کہ اگر وہ حلال کو حرام کر دیتے تھے تو تم مان لیتے تھے؟ عرض کیا، جی مان لیتے تھے۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا، اچھا وہ حرام کو حلال کہہ دیتے تھے تو کیا مان لیتے تھے؟ عرض کیا، جی ہاں، مان لیتے تھے۔ فرمایا، اسی کا نام تو عبادت ہے۔ تم ان کی عبادت کرتے تھے۔ اللہ کے ساتھ ان

کو شریک بنا لیتے تھے۔

یہاں ایک نکتہ سمجھنے کا ہے کہ جب یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء کی پیروی کی تو پروردگار کی طرف سے کفر کا فتویٰ آ گیا لیکن بندہ شیطان کی بات مانتا ہے تو اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا گیا۔ فقط گنہگار اور فاسق کہا گیا۔ یہ فرق کیوں رکھا؟

علماء نے اس کی تفسیر میں بھی بڑا عجیب نکتہ لکھا ہے کہ اس میں فرق یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ جب اپنے علماء کی اتباع کرتے تھے، عبادت کرتے تھے تو اس کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ یہ ان کے حلال کو حرام مان لیا کرتے تھے اور حرام کو حلال۔ اور دوسرا وہ ان علماء کا دل میں احترام کیا کرتے تھے اس لئے ان کے لئے کفر کا لفظ استعمال کیا گیا۔ لیکن یہ میرے گنہگار بندے گو شیطان کی بات مانتے ہیں مگر یہ بات پکی ہے کہ حرام کام بھی کر رہے ہوں تو حرام کو حرام ہی سمجھتے ہیں کبھی حلال نہیں سمجھ رہے ہوتے۔ اور دوسری بات یہ کہ اگرچہ شیطان کی بات تو مان رہے ہوتے ہیں مگر شیطان کی عزت نہیں کرتے بلکہ اسے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ پڑھ کر شَيْطٰنِ الرَّجِيْم کہہ رہے ہوتے ہیں۔ لعنتی کہہ رہے ہوتے ہیں۔

زمین کے بوجھ

یاد رکھئے کہ جنوں اور انسانوں میں سے جو نافرمان اپنی نافرمانی پر ڈٹے رہتے ہیں توبہ نہیں کرتے انہیں اللہ رب العزت نے زمین کا بوجھ فرمایا ہے۔ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَا الثَّقَلٰنِ اور میری زمین کے بوجھو! ہم اپنے آپ کو تمہارے لئے فارغ کر رہے ہیں گویا انسان اگر گناہوں بھری زندگی گزارے گا تو بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔ بالآخر اسے اللہ رب العزت کے حضور پیش ہونا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ کب آتی ہے

میرے دوستو! بجلی کے تار کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ پہلی غلطی بھی معاف

نہیں کرتی۔ اس کی تار کو غلطی سے پہلی دفعہ ہاتھ لگ جائے تو پھر بھی نقصان پہنچا دیتی ہے۔ لیکن اللہ رب العزت کا یہ دستور ہے کہ وہ انسان کی پہلی غلطی پر پکڑ نہیں فرماتے۔ کیونکہ وہ رحیم و کریم ذات ہے اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْم وہ مہربانی فرمانے والے ہیں۔ وہ ایک آدھ غلطی پر انسان کو سزا نہیں دیتے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت پکڑ آتی ہے جب بندہ نے ایک گناہ کیا، پھر کیا، پھر کرتا رہا، کرتا رہا، اور زندگی کے سال ہا سال گزر گئے۔ حتیٰ کہ ایک مدت کے بعد وہ وقت آتا ہے جب رب کریم اس کی پکڑ فرما لیتے ہیں۔

اس کی دلیل حدیث پاک سے ملتی ہے۔ ایک آدمی حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اسے چوری کے جرم میں پکڑا گیا تھا۔ کہنے لگا، اے امیر المومنین! مجھے معاف فرما دیجئے، مجھ سے پہلی غلطی ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا، نہیں پہلی غلطی پر اللہ تعالیٰ رسوا نہیں کرتے۔ چنانچہ حکم دے دیا گیا کہ تحقیق کی جائے۔ جب لوگوں نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ وہ عادی مجرم تھا اور پہلے بھی چوری کیا کرتا تھا۔

انسان جب گناہوں میں الجھ جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ آتی ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے مَنْ کَسَبَ سَیِّئَةً جس نے گناہ کئے وَ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْئَتُهٗ اور اس کی خطاؤں نے اس کا احاطہ کرلیا۔ احاطہ کرنے کا کیا مطلب؟ یعنی اتنے گناہ کئے کہ ان گناہوں کے اندر ڈوب گیا، گناہوں نے اسے گھیرے میں لے لیا فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ یہ وہ لوگ ہیں جو آگ میں ڈال دیئے جائیں گے۔

انداز بیان ذرا دیکھئے، اللہ رب العزت اگر یہی فرما دیتے کہ جس نے گناہ کیا اس کو ہم آگ میں ڈال دیں گے تو پھر بھی عین انصاف ہوتا مگر رب کریم کی رحمت پہ قربان جائیں کہ جب تک گناہ اس کا احاطہ نہ کرلیں اس وقت تک پکڑ نہیں آتی۔

گناہوں کا پنڈورا باکس

اللہ رب العزت کا دستور ہے کہ اپنے بندوں کو معاف فرما کر خوش ہوتے ہیں۔

لیکن انسان اپنے ہاتھوں سے اپنے ہی پاؤں پر خود کلہاڑیاں مارتا پھرتا ہے۔ اسی لئے ایک بزرگ فرماتے تھے کہ انسان جتنی محنت سے جہنم کماتا ہے اس سے آدھی محنت سے اسے جنت مل جایا کرتی ہے، مگر انسان گناہ کی خاطر بہت زیادہ پاپڑ بیلتا ہے۔ ایک گناہ کی خاطر اسے دوسرا گناہ کرنا پڑتا ہے۔ ایک گناہ کیا اور اسے چھپانے کے لئے جھوٹ بولا اور پھر اس جھوٹ کو چھپانے کے لئے دوسرا جھوٹ بولا۔ اس طرح گناہوں کا ایک پنڈورا باکس کھل جاتا ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہئے کہ اللہ رب العزت کے سامنے اپنے گناہوں کی معافی مانگے۔

پانچ تاریکیاں اور پانچ چراغ

حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ پانچ تاریکیاں ہیں اور ان کے لئے پانچ چراغ ہیں۔

☆...... گناہ تاریکی کی مانند ہے اور توبہ اس تاریکی کا چراغ ہے۔

☆...... قبر تاریکی کی مانند ہے اور اللہ رب العزت کا ذکر اس کے چراغ کی مانند ہے

☆...... قیامت تاریکی کی مانند ہے اور نیک اعمال اس کے چراغ کی مانند ہے۔

☆...... میزان تاریکی کی مانند ہے اور کلمہ پڑھنا اس کا چراغ ہے۔

☆...... پل صراط تاریکی کی مانند ہے اور تقویٰ اختیار کرنا اس کا چراغ ہے۔

جس کے پاس یہ پانچ روشنیاں ہوں گی اس کے لئے سب منزلیں عبور کرنا آسان ہوں گی۔ آج یہ روشنی حاصل کرنے کا وقت ہے۔ جو لوگ دنیا میں حاصل نہ کر پائیں گے قیامت کے دن وہ چاہیں گے کہ ہم دوسروں کی روشنی سے فائدہ اٹھا لیں انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ مگر ان سے کہا جائے گا قِیْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا تم لوٹ جاؤ دنیا میں، یہ نور تو وہاں سے ملا کرتا ہے۔

نفس وشیطان کے پھندے

میرے دوستو! انسان اس دنیا میں کئی طرح کی آزمائشوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ ایک طرف شیطان نیکی کے راستے میں بیٹھ کر اسے روکتا ہے اور دوسری طرف نفس نے اسے پھندا ڈالا ہوتا ہے۔ کبھی نفس کی خواہشات اور چاہتیں ایسی ہوتی ہیں جو انسان کو اللہ تعالیٰ سے دور لے جاتی ہیں اور کبھی شیطان کا بہکاوا اور مکر ایسا ہوتا ہے جو انسان کو ورغلاتا رہتا ہے۔ اس دنیا میں انسان امتحان کی حالت میں ہے۔ ہر وقت اسے خیر اور شر کی قوتیں بلاتی رہتی ہیں۔ کیونکہ نفس و شیطان کے شر کے ساتھ ساتھ نیک لوگ بھی انسان کو نیکی کی طرف بلاتے ہیں اور شیطان اور اس کے نمائندے لذات دنیا کی طرف بہکاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کے اس بھول جانے کی وجہ سے ہی تو اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اے میرے بندو! فَاَیْنَ تَذْهَبُوْن تم کدھر جا رہے ہو؟ تمہاری منزل تو کہیں اور تھی۔ اور تم نے اپنی امیدوں کا منتہا کسی اور کو بنا لیا ہے۔ تم نے اپنا مقصود اور اپنا معبود کسی اور کو سمجھ لیا ہے۔ تمہیں تو اپنے پروردگار کی پوجا کرنی چاہیے تھی لیکن تم نفس کی پوجا کرنے میں لگ گئے۔ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اے بنی آدم! کیا ہم نے تم سے عہد نہیں لیا تھا؟ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ وہ تمہارا ظاہر باہر دشمن ہے۔ وَاَنِ اعْبُدُوْنِیْ اور تم فقط میری عبادت کرنا هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْم یہ بالکل سیدھا راستہ ہے۔ سبحان اللہ، کس انداز سے انسان کو متوجہ کیا گیا کہ تم کیا کر رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

اللہ رب العزت اپنی نعمتیں یاد کروا کر انسان کو جھنجھوڑتے ہیں تا کہ یہ راہ راست پر آجائے۔ چنانچہ فرمایا کہ اے انسان! جب تو دنیا میں آیا تو اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ کیا ہم نے تمہارے لئے دو آنکھیں نہیں بنائیں؟ وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَیْنِ کیا ہم

نے بولنے کے لئے زبان نہیں دی، ہونٹ نہیں دیئے؟ وَ هَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ کیا ہم نے دو راستوں کی رہنمائی نہیں کر دی، حق اور باطل کو واضح نہیں کر دیا؟ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا وَّ خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا اے بندے! ہم نے تمہارے لئے آسمان نہیں بنایا، زمین کو فرش نہیں بنایا، اور پہاڑوں کو میخوں کی طرح نہیں گاڑا؟ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ کیا ہم نے تمہیں ایک گندے قطرے سے پیدا نہیں کیا؟ تو اَلَمْ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے اپنی نعمتوں کے تذکرے کئے۔

نماز کے معاملہ میں چھوٹ

ان نعمتوں کے علاوہ اعمال میں سے صرف نماز ہی کو لیجئے۔ پروردگار عالم نے اپنے کلام مجید میں ایک دو بار یا چار دفعہ نہیں بلکہ سات سو دفعہ سے زیادہ مرتبہ فرمایا، نماز پڑھو، نماز قائم کرو۔ اس کے باوجود بھی اگر نماز نہ پڑھیں تو سوچئے کہ اللہ تعالیٰ کو کتنا غصہ آنا چاہئے تھا مگر رب کریم کی مہربانی ہے کہ اس نے پھر بھی توبہ کا دروازہ کھلا رکھا کہ اے میرے بندے! موت سے پہلے تو اگر توبہ کر لے گا اور قضا نمازیں پڑھ لے گا تو میں تیری قضا نمازوں کو بھی قبول کر لوں گا۔ حالانکہ آداب شاہی کا تقاضا یہ تھا کہ ایک مرتبہ فرمان جاری ہو جاتا اور اس کے بعد مخلوق پر حق ہوتا کہ وہ شاہی فرمان کی پابندی کرے۔ اس پروردگار حقیقی کی عظمت کا تقاضا یہ تھا مگر قربان جائیں ان کی مہربانی پر، ان کی شفقتوں پر اور ان کی عطاؤں پر۔ وہ جانتے تھے کہ یہ بھولنے والا ہے، یہ بھٹکنے والا ہے، یہ ڈول جانے والا ہے۔ ایک دفعہ کہنے سے ہو سکتا ہے کہ اس کے دل میں اہمیت نہ بیٹھے۔ اس ذات کی اپنے بندوں پر جو کمال شفقت تھی، جو کمال محبت تھی، جو کمال رحمت تھی، اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْم، اس کا تقاضا یہی تھا کہ بار بار یاد دلا دیا جائے۔ سات سو سے زیادہ مرتبہ اعادہ کرنے کے بعد حق یہ تھا کہ

معینہ وقت پر ہر بندہ نماز کے لئے آ جاتا۔لیکن نہیں بلکہ حکم دے دیا کہ بندوں میں سے کوئی کھڑا ہو اور روزانہ پانچ مرتبہ یاد دہانی کروادے کہ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃُ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحْ آؤ نماز کی طرف، آؤ فلاح کی طرف۔اب بتایئے اتمام حجت ہو گیا کہ نہیں۔اس قدر چھوٹ اور مہربانی کے باوجود نماز کے لئے نہیں آتے۔اب تو دروازہ بند ہو جانا چاہئے تھا۔حق تو یہ تھا کہ اتنا کچھ کہنے کے باوجود جو نماز چھوڑ بیٹھتا اس کے لئے حکم ہوتا کہ جو چھوڑ بیٹھا وہ چھوڑ بیٹھا، اب اس کے لئے کوئی راستہ ہی نہیں مگر محبت نے راستہ پھر بھی بند نہ فرمایا۔بلکہ فرمایا کہ بے نماز ہی سہی لیکن کسی وقت بھی توبہ کر لے اور قضا نمازیں لوٹا لے تو ہم توبہ کو بھی قبول کر لیں گے اور قضا نمازوں کے مسئلے بتا دیئے ورنہ تو قضا نماز کا تصور بھی نہ ہوتا۔

انسان کی بے رخی

جب اتنا متوجہ کرنے کے بعد اور اتنی بڑی چھوٹ دینے کے بعد پھر بھی انسان نے رخ نہ بدلا۔اور اس نے موت سے پہلے پہلے توبہ کر کے سیدھے راستے کو نہ اپنایا تو پروردگار عالم کو کہنا پڑا قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَکْفَرَہٗ مارا جائے تو انسان تو نے کفر کیا۔ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ تجھے کس چیز سے پیدا کیا؟ مِنْ نُّطْفَةٍ گندے قطرے سے خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ پھر قدم بہ قدم اپنی نعمتیں گنوائیں کہ ہم نے یہ بھی دیا، یہ بھی۔حتیٰ کہ یہاں تک فرما دیا کہ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو تم شمار نہیں کر سکتے۔اس سب کے باوجود تم میرے راستے کو چھوڑ جاتے ہو۔میری طرف آنے کی بجائے شیطان کی طرف بھاگتے ہو، مجھے اپنا مقصود حقیقی بنانے کی بجائے دنیا کی خواہشات میں پھنس جاتے ہو۔اور واقعی انسان کا حال یہ ہے کہ رب کریم نے اسے مال دیا مگر مال سے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں کرتا۔رب کریم نے اسے

جوانی دی، مگر یہ اپنی جوانی سے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں کرتا۔رب کریم نے اسے عزت دی یہ اپنی عزت سے محبت کرتا ہے اللہ رب العزت سے محبت نہیں کرتا۔پروردگار عالم بھی کیا سوچتے ہوں گے کہ یہ میرے کیسے بندے ہیں کہ دی ہوئی بھی میری نعمتیں ہیں یہ ان نعمتوں کو پسند کرتے ہیں اور دینے والے کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے۔

کتے کی دس صفات

حیوان اپنے مالک کا زیادہ وفادار ہوتا ہے جبکہ انسان اپنے پروردگار کا اتنا وفادار نہیں ہوتا۔حضرت حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ کتے کے اندر دس صفات ایسی ہیں کہ اگر ان میں سے ایک صفت بھی انسان کے اندر پیدا ہو جائے تو وہ ولی اللہ بن سکتا ہے۔فرماتے ہیں کہ

۱) کتے کے اندر قناعت ہوتی ہے، جو مل جائے یہ اسی پر قناعت کر لیتا ہے، راضی ہو جاتا ہے، یہ قانعین یا صابرین کی علامت ہے۔

۲) کتا اکثر بھوکا رہتا ہے، یہ صالحین کی نشانی ہے۔

۳) کوئی کتا اس پر زور کی وجہ سے غالب آ جائے تو یہ اپنی جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جاتا ہے، یہ راضیین کی علامت ہے۔

۴) اس کا مالک اسے مارے بھی سہی تو یہ اپنے مالک کو چھوڑ کر نہیں جاتا۔یہ مریدان صادقین کی نشانی ہے۔

۵) اگر اس کا مالک بیٹھا کھانا کھا رہا ہو تو یہ باوجود طاقت اور قوت کے اس سے کھانا نہیں چھینتا، دور سے ہی بیٹھ کر دیکھتا رہتا ہے۔یہ مساکین کی علامت ہے۔

۶) جب مالک اپنے گھر میں ہو تو یہ دور جوتے کے پاس بیٹھ جاتا ہے، ادنیٰ جگہ پہ راضی ہو جاتا ہے یہ متواضعین کی علامت ہے۔

۷) اگر اس کا مالک اسے مارے اور یہ تھوڑی دیر کے لئے چلا جائے اور پھر مالک دوبارہ اسے ٹکڑا ڈال دے تو دوبارہ آ کر کھا لیتا ہے اس سے ناراض نہیں ہوتا۔ یہ خاشعین کی علامت ہے۔

۸) دنیا میں رہنے کے لئے اس کا اپنا کوئی گھر نہیں ہوتا، یہ متوکلین کی علامت ہے۔

۹) رات کو یہ بہت کم سوتا ہے، یہ مُحِبّین کی علامت ہے۔

۱۰) جب مرتا ہے تو اس کی کوئی میراث نہیں ہوتی۔ یہ زاہدین کی علامت ہے۔

غور کریں کہ کیا ان صفات میں سے کوئی صفت ہم میں بھی موجود ہے؟

حضرت بلھے شاہؒ کا کلام

حضرت بابا بلھے شاہؒ فرماتے ہیں۔

راتیں جاگیں تے شیخ سڈاویں راتیں جاگن کتے تیتھوں اتے
رُکھا سُکھا ٹکڑا کھا کے دنیں جا رکھاں وچ ستے تیتھوں اتے
توں ناشکرا اتے پلنگاں اوہ شاکر روڑیاں اتے تیتھوں اتے
در مالک دا مول نہ چھوڑن بھانویں مارے سو سو جتے تیتھوں اتے
اٹھ بلھیا توں وی یار منا لئیں تے بازی لے گئے کتے تیتھوں اتے

اسی کا کھا کر اسی کے شکوے

ہمارا یہ حال ہے کہ اسی کا دیا کھا کر اسی کا شکوہ کرنے بیٹھ جاتے ہیں، کہ جی بڑی دعائیں مانگی ہیں وہ تو ہماری سنتا ہی نہیں۔ ایسے شکوے بھرے الفاظ زبان سے نکالتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا گیا اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوْدٌ بے شک انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ وَ اِنَّہٗ عَلٰی ذٰلِکَ لَشَہِیْدٌ اور وہ اس کے اوپر خود گواہ ہے۔ وَ اِنَّہٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ اور اس کے دل میں مال کی بڑی محبت ہے۔ اور واقعی حالت

یہ ہے کہ انسان کے کھا کھا کر دانت ٹوٹ جاتے ہیں اور زبان سے شکوے نہیں جاتے۔ بڑا اچھا کاروبار ہو تو پوچھیں کہ سنائیں، کاروبار کیسا ہے؟ تو کہتا ہے جی بس گزارا ہے۔ رب کریم کو کتنا غصہ آتا ہوگا کہ میرا تو اتنا فضل و کرم ہے اس پر، اور اتنا عطا کیا گیا مگر اس کی زبان اتنی چھوٹی ہوگئی کہ میری تعریف میں شکریہ کا ایک جملہ بھی اس کی زبان سے نہیں نکلتا۔ کیا یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ میرے رب کا بڑا فضل و کرم ہے۔ میرے اللہ کا میرے اوپر بڑا انعام ہے ﷺ بہت ہوتا اگر یہی الفاظ کہہ دیتا۔ یقین جانئے کہ ہم بعض اوقات اپنی زبان سے ایسے الفاظ کہہ دیتے ہیں جو اس کے عذاب کو دعوت دینے والے ہوتے ہیں۔ ایک شاعر کیا ہی ہرزہ سرائی کرتا ہے۔ گناہ کی بات کرتے ہوئے کہتا ہے۔

اک فرصت گناہ ملی وہ بھی چار دن
دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پروردگار کے

یعنی چار دن کی جو زندگی ہے اس کو وہ فرصت گناہ سمجھ رہا ہے۔ اندازہ کیجئے بندے کا کہ پروردگار کے احسانات کتنے اور بندے کی سوچ کیسی۔ کہتا ہے اللہ تعالیٰ نے گر گناہ کا موقع بھی دیا ہے تو وہ بھی صرف چار دن ہے، پروردگار کا بس یہی حوصلہ ہے؟ اب بتائیے کہ ہو بھی بندہ اور زبان سے پروردگار کی شان میں یہ کہے، یہ کتنی بڑی جرأت ہے۔

کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے

ایک محفل میں بیٹھے بیٹھے اس عاجز کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اس شعر کو تو بدلنا چاہئے، تو کچھ یوں الفاظ سمجھ میں آئے:

ہم نے کئے گناہ تو اس نے نہ کی پکڑ
کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے

واقعی اگر ہم اس بات پر غور کریں کہ ہماری زندگی کیسی گزر رہی ہے اور اس زندگی پر پروردگار نے پھر بھی کتنی نعمتوں سے ہمیں نوازا ہوا ہے تو عجیب حیرانی ہوتی ہے کہ ہماری نافرمانیوں کا یہ حال اور اس پروردگار کی نوازشوں کا یہ معاملہ۔ کہنے والے نے کہا

ثنا گو پتہ پتہ ہے خدایا دمبدم تیرا
زمین و آسمان تیرے ہیں موجود و عدم تیرا
جب انسان تیرا کھا کے بھی ترا شکوہ کرے یارب
تعجب ہے کہ اس پر بھی رہے لطف و کرم تیرا

کتنی عجیب بات ہے کہ پروردگار پھر بھی اتنی مہربانیاں فرماتے ہیں۔ ہم اپنی حالت دیکھیں اور اپنے گناہوں کا جائزہ لیں تو ندامت سے سر جھک جائے گا کہ ہم نے تو اپنے پروردگار کے حکموں کو بالکل بے وقعت بنا دیا اور زندگی کے، دن نہیں، ہفتے نہیں بلکہ سالوں گزر جاتے ہیں اور پروردگار پھر بھی ہمارے عیبوں پر پردہ ڈالے رکھتے ہیں۔ اسی لئے ایک عارف فرماتے ہیں۔ اے دوست! جس نے تیری تعریف کی اس نے درحقیقت تیرے پروردگار کی ستاری کی تعریف کی۔

ہمارا حوصلہ

اس کے برعکس ہم اپنی حالت پر غور کریں۔ ہم اگر کسی آدمی کو کوئی کام کہیں، ایک دفعہ کہیں، دو دفعہ کہیں، تین دفعہ کہیں اور اس کے باوجود وہ کان نہ دھرے اور کام نہ کرے تو ہمیں کتنا غصہ آتا ہے۔ بچہ بات نہ مانے تو اس کی پٹائی کر دیتے ہیں کہ میں نے تجھے دو چار دفعہ کہا، تو سنتا ہی نہیں۔ بیوی کو کوئی کام دو چار دفعہ کہہ دیا جائے اور وہ بھول جائے تو کہتے ہیں کہ تجھے کتنی دفعہ کہا، کوئی ماتحت کام نہ کرے تو اسے نوکری سے نکال دیتے ہیں۔ گویا ہمارا یہی حوصلہ ہے کہ دو چار دفعہ کہنے کے باوجود اگر کوئی ہماری

بات نہ مانے اور نظر انداز کر جائے تو ہمارے غصے کی انتہا ہو جاتی ہے۔

ایک شرابی پر اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم

ایک بزرگ دریا کے کنارے پر جا رہے تھے۔ ایک جگہ دیکھا کہ دریا سے ایک کچھوا نکلا اور کنارے کے قریب پانی کی سطح پر آ گیا۔ کنارے سے ایک بچھو نے دریا کے اندر چھلانگ لگائی اور کچھوے کی پیٹھ پر سوار ہو گیا۔ کچھوے نے تیرنا شروع کر دیا۔ وہ بزرگ بڑے حیران ہوئے۔ انہوں نے اس کچھوے کا تعاقب کرنے کی ٹھان لی۔ چنانچہ دریا میں تیر کر اس کچھوے کا پیچھا کیا۔ وہ کچھوا دوسرے کنارے پر جا کر رک گیا۔ اور بچھو اس کی پیٹھ سے چھلانگ لگا کر دوسرے کنارے پر چڑھ گیا۔ اور آگے چلنا شروع کر دیا۔ وہ بزرگ بھی اس کے پیچھے چلتے رہے۔ آگے جا کر دیکھا کہ جس طرف بچھو جا رہا تھا اس کے راستے میں ایک آدمی سویا ہوا تھا۔ اس بزرگ نے سوچا کہ اگر یہ بچھو اس نوجوان کو کاٹنا چاہے گا تو میں قریب پہنچنے سے پہلے ہی اسے اپنی لاٹھی سے مار ڈالوں گا۔ لیکن وہ چند قدم آگے بڑھے ہی تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ دوسری طرف سے ایک اژدھا تیزی سے اس نوجوان کو ڈسنے کیلئے آگے بڑھ رہا تھا۔ اتنے میں بچھو بھی وہاں پہنچ گیا۔ اس بچھو نے عین اسی حالت میں سانپ کو ڈس دیا۔ جس کی وجہ سے بچھو کا زہر سانپ کے جسم میں سرایت کر گیا اور وہ اژدھا وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس کے بعد وہ بچھو اپنے راستے پر واپس چلا گیا۔ سبحان اللہ

تھوڑی دیر بعد وہ آدمی بیدار ہوا تو اس بزرگ نے اسے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے تیری حفاظت کے لئے اس بچھو کو کہاں سے بھیجا۔ وہ نوجوان اژدھے کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کرنے لگ گیا اے اللہ! میں شرابی کبابی مگر تیرا اتنا لطف و کرم، تیری اتنی مہربانی۔ اے بیکسوں کے دستگیر، اے ٹوٹے دلوں کو تسلی دینے والے پروردگار، اے زخمی دلوں کو مرہم عطا کرنے

والے آقا، اے گناہوں کے باوجود اپنے بندوں پر احسانات کرنے والے اللہ، میں
آج سے سچی توبہ کرتا ہوں تو مجھے معاف فرما دے۔

جانوروں سے بھی بدتر لوگ

اللہ رب العزت کی طرف سے گنہگاروں پر اس قدر نوازشات کے باوجود آپ
کے سامنے ایک حقیقت واضح کر دی جائے کہ جو انسان توبہ نہ کرے اور غفلت میں پڑا
رہے تو جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے، وَلَقَدْ
ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ
أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ
هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ کہ انسانوں اور جنوں میں سے اکثر لوگ ایسے
ہوں گے جو جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔ اس لئے کہ ان کے پاس دل تو تھے مگر وہ
انہیں عقل نہیں سکھاتے تھے، ان کے پاس آنکھیں تو تھیں مگر عبرت کی نگاہ سے دیکھنے
سے قاصر تھیں، ان کے پاس کان تو تھے لیکن وہ ان سے سنی ان سنی کر دیتے تھے۔ وہ تو
جانوروں سے بھی بدتر تھے کیونکہ وہ غفلت میں پڑے رہتے تھے۔

بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اہل کشف حضرات کو نظر آ رہا ہوتا ہے کہ کون کس شکل
میں ہے۔ کوئی قسمت والا ہی ان کو انسانیت کے روپ میں نظر آتا ہے۔

بھرے بازار میں کتے، بلے اور خنزیر

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے بیانات میں ایک عجیب بات
ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ فرماتے کہ میں ایک دفعہ بازار جا رہا تھا۔ وہاں مجھے ایک
مجذوب نظر آئے میں نے ان کے قریب ہو کر سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب
دیا اور پہچان کر پوچھا، احمد علی! انسان کہاں بستے ہیں؟ میں نے حیران ہو کر بھرے
بازار کی طرف اشارہ کر کے کہا، حضرت! یہ سب انسان ہی تو ہیں۔ جب یہ کہا تو انہوں

نے حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھا اور حسرت بھرے لہجہ میں کہا، یہ سب انسان ہیں۔ ان
کی توجہ کی تاثیر ایسی تھی کہ جب میری نگاہ مجمع پر دوبارہ پڑی تو مجھے بازار میں کتے،
بلے اور خنزیر چلتے ہوئے نظر آئے۔ جب وہ کیفیت ختم ہوئی تو میں نے دیکھا کہ وہ
مجذوب جا چکے تھے۔ یہ واقعہ اپنے بیانات میں سنا کر حضرتؒ فرماتے تھے

؎ مالک تو سب کا ایک مالک کا کوئی ایک
لاکھوں میں نہ ملے گا کروڑوں میں تو دیکھ

جی ہاں، کروڑوں میں سے کوئی ایک ہی ہو گا جو سر کے بالوں سے لے کر پاؤں
کے ناخنوں تک اپنے آپ کو پروردگار کے حوالے کر دے اور کہہ دے کہ اے اللہ!
میں تیرا بندہ ہوں، میری آئندہ زندگی تیرے حکموں کے مطابق گزرے گی۔ اس کو
کہتے ہیں اُدْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً مگر میرے دوستو! ہم تو اپنی مرضی کے مالک
بنے پھرتے ہیں۔ ہم دوستوں میں بیٹھ کر کہتے ہیں۔ ہم کام تو وہ کریں گے جس کے
لئے ہمارا دل کہے گا اور پھر اللہ رب العزت کی طرف سے خاص رحمتیں بھی طلب
کرتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ جب تک ہم اپنے آپ کو اللہ رب العزت کے سپرد نہیں
کریں گے تب تک اللہ رب العزت کی طرف سے خاص رحمتیں نازل نہیں ہوں گی۔

ایک کسان کو ناصحانہ جواب

حضرت قطب الدینؒ ایک بزرگ گزرے ہیں۔ وہ اپنے علاقہ میں بہت
مشہور تھے۔ ان کے نام کی ایک مسجد بھی بنی ہوئی ہے۔ ایک مرتبہ کسی دیہات میں
جا رہے تھے۔ ایک جگہ پر گزرتے ہوئے انہوں نے دیکھا کہ ایک آدمی ہل چلا رہا
تھا۔ اس نے اچانک اپنے ایک بیل کو مارنا شروع کر دیا۔ ہوتا یہ ہے کہ دو بیل جو ہل
کے لئے کام کر رہے ہوتے ہیں۔ ان میں سے اندر والے کو آندری اور باہر والے کو
باہری کہتے ہیں۔ ان میں سے اندر والا بیل جب شرارت کرتا ہے تو وہ زمین کا ایک

ٹکڑا چھوڑ کر آگے نکل جاتے ہیں۔ اس کو پنجابی میں ''پاڑا مارنا'' کہتے ہیں۔ اندر والے بیل کی شرارت کی وجہ سے جب بیلوں نے پاڑا مارا تو اس حرکت پر اس کسان نے بیل کو مارنا شروع کر دیا۔ انہوں نے دور سے پوچھا، بھئی! تو یہ کیا کر رہا ہے؟ اس نے آگے سے جواب دیا ''ایہہ پاڑا مار گیا اے'' (اس نے زمین کا ایک ٹکڑا چھوڑ دیا ہے) اس لئے میں اس کی پھینٹی لگا رہا ہوں۔ حضرت نے فرمایا، اے بھئی! اگر یہ پاڑا مار گیا ہے تو تو اسے یوں نقد سزا دے رہا ہے، اور جو پاڑے تو مارتا پھر رہا ہے، اگر تجھے رب نے پوچھ لیا تو تیرا کیا بنے گا؟

ایک مسئلہ کا دلچسپ حل

اللہ رب العزت کو بندے کی توبہ بڑی محبوب ہے۔ ایک بزرگ جا رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ کچھ نوجوان آپس میں بحث کر رہے ہیں۔ جب قریب سے گزرے، تو وہ کہنے لگے، بابا جی! ہم آپس میں ایک مسئلہ پر بحث کر رہے ہیں اور ہماری سمجھ میں بات نہیں آتی کہ صحیح جواب کیا ہے؟ آپ ہمیں بتا دیجئے۔ پوچھا کون سی بات ہے؟ کہنے لگے، ہم میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ جو بندہ کبھی گناہ نہ کرے اس کے دل پر اللہ تعالیٰ کی خاص نظر ہوتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جو بندہ کبھی گناہ کر بیٹھے اور بعد میں سچی توبہ کر لے اس کے دل پر اللہ تعالیٰ کی خاص نظر ہوتی ہے۔ اب ہم فیصلہ نہیں کر پا رہے کہ کس کے دل پر اللہ تعالیٰ کی خاص نظر ہوتی ہے۔ حضرت فرمانے لگے کہ میں کوئی عالم تو نہیں ہوں کہ عالمانہ جواب دوں البتہ ایک بات میرے تجربہ میں آئی ہے کہ میں کپڑا بنتا ہوں، میرے لمبے لمبے دھاگے ہوتے ہیں، عام طور پر جو دھاگہ ٹوٹ جائے میں اس کی گرہ لگاتا ہوں اور پھر اس پر خاص نظر رکھتا ہوں کہ کہیں یہ دھاگہ پھر نہ ٹوٹ جائے۔ ممکن ہے کہ جو بندہ گناہوں میں پڑا رہا اور اس کی تار اللہ سے ٹوٹ چکی تھی، وہ سچی توبہ کر کے اس گرہ کو پھر باندھ لیتا ہے، اللہ تعالیٰ کی اس پر

خاص نظر رہتی ہو کہ میرا بندہ کہیں پھر مجھ سے ٹوٹ نہ جائے۔

بہترین خطا کار

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کُلُّ بَنِیْ اٰدَمَ خَطَّآءٌ وَّ خَیْرُ الْخَطَّائِیْنَ التَّوَّابُوْنَ سب کے سب بنی آدم خطا کار ہیں مگر سب سے بہترین خطا کار توبہ کرنے والا ہے۔ لہٰذا ہمیں وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ پر عمل کرنا چاہئے۔ اگر ہم گناہ نہ چھوڑیں۔ تو فرما دیا یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اے انسانو! اِنَّمَا بَغْیُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تمہاری بغاوتیں بھی لوٹ کر تمہاری طرف ہی آئیں گی گناہ کر کے جائیں گے کہاں؟ یاد رکھئے! جب پروردگار کو ناراضگی ہو جاتی ہے تو پھر انسان دنیا میں کبھی سکون نہیں پاتا۔ پھر انسان تنگی کا ناچ ناچتا پھرتا ہے، ذلیل و خوار ہو جاتا ہے، کسی کو چہرہ دکھانے کے قابل نہیں ہوتا۔ ایسے بندے کو گھر بیٹھے بٹھائے ذلیل کر دیا جاتا ہے پھر سروں سے پگڑیاں اچھل جایا کرتی ہیں، سروں سے دوپٹے اتر جایا کرتے ہیں۔ اس لئے کوئی بھی آدمی گناہوں کو بار بار کرنے کی جرأت نہ کرے۔ بس جو کر چکے اب آئندہ ان گناہوں سے سچی توبہ کر لے۔ ایک نئی سچی اور سچی زندگی گزارنے کا دل میں ارادہ کر لے تا کہ سلوک کی راہ پر اگلا قدم اٹھا سکے۔

مصیبت یا رحمت

اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندے پر مصیبتیں، غم اور پریشانیاں بھیجتے رہتے ہیں تا کہ یہ جاگتا رہے، متوجہ رہے۔ یاد رکھیں کہ خوشیاں سلاتی ہیں اور غم جگاتے ہیں۔ پروردگار ہمیں جگانے کی خاطر بعض اوقات پریشانیاں بھیج دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں، اے میرے بندو! تمہارا وقت گزر رہا ہے، مہلت ختم ہو رہی ہے، اے سوئے ہوئے لوگو! کچھ کر لو، اے بھولے ہوئے لوگو! کچھ کر لو، غفلت میں پڑے ہوئے لوگو! کچھ کر لو، شیطان تمہیں لوٹ چکا ہے، تمہارے اعمال پہ ڈاکے مار چکا ہے، تمہیں غفلت کا

شکار بنا چکا ہے، وقت گزر رہا ہے ، کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر ہاتھ ملتے رہ جاؤ، اس لئے آج کچھ کرلو، متوجہ کرتے ہیں تاکہ بندے اسے یاد کرتے رہیں۔

شوہر سے طلاق طلب کرنے کا عجیب واقعہ

صحابہ کرامؓ کی اس بات پر بڑی نظر ہوتی تھی کہ ہمارے اوپر غم اور پریشانیاں آرہی ہیں یا نہیں۔ وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور علامت سمجھتے تھے، بھوک اور فاقہ آتا تھا تو وہ خوش ہوتے تھے کہ فاقے وہ نعمتیں ہیں جو پروردگار عالم اپنے پیاروں کو عطا کیا کرتے ہیں۔ غم اور پریشانی پر خوش ہوتے تھے کہ پروردگار نے ہمیں اپنا سمجھا ہے۔ اس لئے یہ پریشانی بھیجی ہے۔

ایک صحابیہؓ کا واقعہ ہے کہ گھر کے اندر لیٹی ہوئی تھیں۔ میاں نے کہا کہ مجھے پانی لادیں۔ کہنے لگیں کہ بہت اچھا، وہ گئیں اور پانی کا پیالہ لے کر آگئیں۔ مگر رات کا وقت تھا میاں کو نیند آگئی۔ اب یہ خدا کی بندی پانی کا پیالہ لے کر انتظار میں کھڑی رہی کہ میاں کی آنکھ کھلے گی تو میں انہیں پانی کا پیالہ پیش کردوں گی۔ جب صبح کا وقت ہونے لگا تو ان کی آنکھ کھلی۔ انہوں نے دیکھا کہ بیوی پانی کا پیالہ لے کر ان کے انتظار میں کھڑی ہے۔ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ کہنے لگے، اچھا! میں آپ سے اتنا خوش ہوں کہ تو آج جو بھی مطالبہ کرے گی تو میں تیرے اس مطالبے کو پورا کردوں گا۔ انہوں نے کہا! اچھا، پھر میرا مطالبہ یہ ہے کہ آپ مجھے طلاق دے دیجئے۔ اب پریشان ہوئے کہ اتنی محبت کرنے والی، اتنی خدمت والی، اتنی وفادار، اتنی نیک بیوی طلاق کا مطالبہ کررہی ہے۔ اور قول بھی میں دے بیٹھا ہوں۔ پوچھنے لگے کہ طلاق کیوں چاہتی ہیں؟ انہوں نے کہا کہ آپ نے خود ہی کہا ہے کہ جو مطالبہ کریں گی میں پورا کروں گا۔ اب اپنے قول کو نبھائیے اور مجھے طلاق دے دیجئے۔ فرمانے لگے، صبح کو ہم نبی اکرم ﷺ کے پاس جائیں گے اور اپنا مسئلہ پیش کریں گے۔ کہنے لگیں،

بہت اچھا۔ فجر کی نماز کے بعد چل پڑے۔ ابھی راستے میں ہی جارہے تھے کہ خاوند کا پاؤں کسی روڑے سے اٹکا اور وہ نیچے گر گئے۔ اس کے بدن سے کچھ خون نکلا۔ بیوی نے فوراً دوپٹہ پھاڑا اور اس کا زخم صاف کر کے پٹی باندھی اور کہنے لگیں کہ چلو گھر واپس چلتے ہیں۔ کہنے لگے، کیوں مسئلہ نہیں پوچھنا؟ کہنے لگیں کہ نہیں مسئلہ پوچھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اب مجھے آپ سے طلاق لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ کہنے لگے، یہ کیا بات ہوئی، طلاق مانگی تھی تو بھی مجھے سمجھ نہ آئی، جب مطالبہ چھوڑ دیا تو بھی سمجھ نہیں آرہی، اصل بات کیا ہے؟ بیوی نے کہا، گھر چلیں وہاں بتاؤں گی۔ جب گھر پہنچے تو خاوند نے بیٹھتے ہی کہا کہ بتائیں، اصل بات کیا تھی؟ کہنے لگی، کہ آپ نے ہی تو نبی اکرم ﷺ کی حدیث سنائی تھی کہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے محبت کرتے ہیں تو پریشانیاں اس کی طرف یوں دوڑتی ہیں جس طرح پانی اونچی جگہ سے نیچی جگہ کی طرف جاتا ہے۔ میں آپ کی بیوی ہوں، کتنا عرصہ آپ کے ساتھ گزار چکی ہوں میں نے آپ کے گھر میں دولت دیکھی، سکھ دیکھا، آرام دیکھا، خوشیاں دیکھیں مگر میں نے آپ کے گھر میں کبھی غم اور پریشانی نہیں دیکھی۔ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ کے دل میں نفاق ہو جس کی وجہ سے ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ کا برتاؤ اپنے پیاروں جیسا نہیں ہے۔ اس لئے میں نے کہا کہ میرے آقا ﷺ کی حدیث سچی ہے میں جو کچھ دیکھ رہی ہوں یہ غلط ہوسکتا ہے۔ لہٰذا میں نے چاہا کہ آپ سے طلاق لے لوں۔ لیکن جب راستے میں جاتے ہوئے آپ کو زخم لگا، پریشانی آئی تو میں نے فوراً سمجھ لیا کہ آپ کے ایمان میں کسی قسم کا شک نہیں کیا جاسکتا۔ اب میں ساری زندگی آپ کی بیوی بن کر آپ کی خدمت کروں گی۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض دوست سوچتے ہونگے کہ سچی توبہ اللہ رب العزت کو چونکہ بہت محبوب

ہے ہذا گناہ کروتا کہ توبہ کرسکو۔ میرے دوستو! اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے۔ اگر تریاق موجود ہو تو یہ اس بات کی دلیل کہاں ہے کہ زہر پینا جائز ہوگیا۔ توبہ تو موجود ہے، اجازت بھی ہے لیکن اللہ کی رحمت پر انسان کو جرأت بھی تو نہیں کرنی چاہیئے۔

ہم ناپ تول کے قابل نہیں

میرے دوستو! ہم ناپ تول کے قابل بالکل نہیں ہیں۔ (یہ بات ارشاد فرماتے ہوئے حضرت اقدس دامت برکاتہم پر گریہ طاری ہوگیا) اللہ رب العزت اپنے فضل وکرم کا معاملہ فرمائیں۔ ہم میں سے کون ہے جو دم مارے کہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا، یا میں خطا کار نہیں، یا اپنی نیکی پر ناز کرے۔ میرے دوستو! ہماری نیکیاں بھی ہماری ہی طرح عیب والی ہیں۔ اس قابل کہاں کہ پروردگار کے سامنے پیش ہوسکیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ہر آدمی اللہ تعالیٰ کے فضل سے بخشا جائے گا۔ ایک صحابی ؓ عرض کرنے لگے، اے اللہ کے نبی ﷺ! کیا آپ ﷺ بھی؟ فرمایا، میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی بخشا جاؤں گا۔ میرے دوستو! جب میرے آقا ﷺ یوں فرماتے ہیں تو پھر ہم کس کھیت کی مولی ہیں۔ اس لئے اللہ سے اللہ کی رحمت اور فضل مانگ لیجئے۔ یقین کیجئے کہ اگر ہمیں ٹٹول لیا گیا تو مَنْ نُوْقِشَ فِي الْحِسَابِ فَقَدْ عُذِّبَ اگر نامہ اعمال کھل گیا اور پوچھ گچھ شروع کردی گئی تو کوئی مائی کا لعل بچ نہیں سکے گا۔

؎ عدل کریں تے تھر تھر کنبن اچیاں شاناں والے
فضل کرے تے بخشے جاون میں ور گے منہ کالے

بس ہم اس کی رحمت کے طلب گار بن جائیں، پھر دیکھنا کہ اللہ تعالیٰ کیسے مہربانی فرماتے ہیں۔

قابل رشک سفر آخرت

استاد المحدثین حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حدیث پاک پڑھنے والے لاکھوں طلباء ہوتے تھے۔ مکبر جیسے نماز میں آگے تکبیر کہتے ہیں اسی طرح لوگ ان سے حدیث پاک سن کر آگے نقل کرتے تھے۔ ایک مجمع میں ان مکبرین کی تعداد گیارہ سو (1100) تھی۔ مجمع کا اندازہ آپ خود لگالیں۔ ایک مجمع میں دواتوں کو گنا گیا تو اس مجمع میں چالیس ہزار (40,000) دواتیں تھیں۔ اتنے بڑے مجمع میں وہ حدیث پاک کا درس دیا کرتے تھے۔ جب ان کے آخری لمحات آئے تو بستر پر لیٹے ہوئے تھے اور کیفیت بدل رہی تھی۔ اسی اثناء میں اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ مجھے اٹھا کر نیچے زمین پر لٹادو۔ شاگرد حیران تھے کہ اب کیا کریں۔ اس وقت چپس کے فرش نہیں ہوتے تھے، فقط مٹی ہوتی تھی۔ پھر فرمایا، مجھے اٹھاؤ اور مٹی پر لٹادو۔ شاگردوں نے حکم کی تعمیل کی اور مٹی پر لٹادیا۔ انہوں نے دیکھا کہ وقت کے اتنے بڑے شیخ اپنے رخسار کو زمین پر ملنے لگے اور یہ کہہ رہے تھے کہ اے اللہ! تو عبداللہ کے بڑھاپے پر رحم فرما۔ میرے دوستو! جن کی زندگی حدیث پاک کی خدمت میں گزری، جب وہ اپنے آخری وقت میں اللہ تعالیٰ کے حضور یوں عاجزی کرتے تھے تو ہمیں بھی عاجزی وانکساری کرنی چاہئے۔ کیونکہ ہمارے پاس تو عمل بھی کوئی نہیں ہے۔ ہم واقعی قابل رحم ہیں، اللہ رب العزت ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ آمین

ایک گنہگار کی مغفرت کا عجیب واقعہ

ایک آدمی بہت گنہگار تھا جب مرنے لگا تو دل ہی دل میں بہت شرمندہ تھا کہ پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں گزار دی۔ اللہ رب العزت کا کوئی حکم بھی نہیں مانا۔ چنانچہ اپنی نجات کے لئے سوچنے لگا۔ بالآخر اس نے اپنے بیٹوں کو بلا کر وصیت کی کہ جب میں مرجاؤں تو ایک جگہ خوب آگ جلانا۔ جب آگ اچھی طرح بھڑک

چکے تو مجھے اس آگ میں ڈال دینا۔ جب میں جل کر راکھ ہو جاؤں تو اس راکھ کے دو حصے کرنا۔ ایک حصہ دریا میں بہا دینا اور باقی آدھی راکھ کو ہوا میں اڑا دینا۔ بیٹوں نے پوچھا، ابا جان! آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ وہ کہنے لگا، اس لئے کہ نہ میں ایک جگہ دفن ہوں گا اور نہ ہی مجھ سے حساب لیا جائے گا۔ بیٹوں نے وصیت کے مطابق عمل کرنے کا وعدہ کر لیا۔ اس طرح اس نے اپنی طرف سے پکا انتظام کر دیا۔

جب وہ مر گیا تو بیٹوں نے وصیت کے مطابق آگ بھڑکائی اور اسے اس میں پھینک دیا۔ جب مکمل طور پر جل گیا تو بیٹوں نے آدھی راکھ دریا میں بہا دی اور آدھی راکھ ہوا میں اڑا دی۔ پھر اللہ رب العزت نے دریا کو حکم دیا کہ راکھ کے ایک ایک ذرہ کو اکٹھا کیا جائے اور ہوا کو بھی حکم دیا کہ راکھ کے ایک ایک ذرہ کو یکجا کریں۔ چنانچہ اس طرح دونوں حصوں کو اللہ رب العزت کے حکم سے ایک جگہ اکٹھا کیا گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے دوبارہ زندہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ اب بتاؤ! تم نے اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کیوں کی تھی؟ وہ عرض کرنے لگا، اے ربّ کریم! میں ایک گنہگار انسان تھا۔ مرتے وقت میرے دل میں آپ کی خشیت پیدا ہوئی۔ میں نے سوچا کہ میری نجات کی تو کوئی صورت ہی نہیں ہوگی۔ لہٰذا میں نے یہ وصیت کر دی۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی یہ عاجزی اتنی پسند آئی کہ اس کے تمام گناہوں کو معاف فرما کر اسے جنت کا وارث بنا دیا۔ سبحان اللہ

سچی پکی توبہ

میرے دوستو! جب دل میں خشیت الٰہی آ جاتی ہے تو پھر توبہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ توبہ کرتے ہوئے کسی نافرمانی کا ارادہ نہ ہو۔ اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً کے مصداق پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جائیں۔ دل میں یہ نیت ہو کہ یا اللہ! اس لمحہ کے بعد سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک تیرے حکموں پر عمل کروں گا۔ نیت ادھوری ہوگی تو مراد بھی ویسی ہی ملے گی۔ نیت کامل ہوگی تو مراد بھی کامل ملے گی۔ اس نیت کے ساتھ جو توبہ کی جائے گی وہ توبۃ النصوح ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا اے ایمان والو! تم اللہ کے حضور ایسی توبہ کرو کہ جس کے بعد گناہ کرنے کا ارادہ نہ ہو۔ ہاں ارادہ کرنا ہمارا کام ہے اور منزل پر پہنچانا اللہ کا کام ہے۔ ہم گناہوں سے نہیں بچ سکتے مگر ہمارا مالک تو ہمیں گناہوں سے بچا سکتا ہے۔ وہ ڈاکوؤں کو ولی بنا دیتا ہے، وہ چوروں کو بھی ولی بنا دیتا ہے۔ وہ اگر چاہے تو ہمارے لئے بھی مغفرت کا دروازہ کھول سکتا ہے۔ کاش! کہ اپنی شراب محبت کا ایک قطرہ اللہ رب العزت ہمارے حلق میں بھی ٹپکا دے اور ہمیں بھی دنیا سے بیگانہ کر دے۔

ادھوری توبہ

ہاں اگر توبہ کرتے ہوئے بھی یہ نیت ہو کہ میں ان گناہوں سے توبہ کرتا ہوں مگر فلاں گناہ سے توبہ نہیں کرتا تو یہ ادھوری توبہ ہوگی۔ جس کی وجہ سے وہ برکتیں حاصل نہیں ہوں گی جو ہونی چاہئیں۔ مثلاً آدمی توبہ کرے کہ

؎ اِلٰهِی تُبْتُ مِنْ كُلِّ الْمَعَاصِی
وَلٰكِنْ حُبَّ لَيْلٰی لَا اَتُوْبُ

کہ اے اللہ! میں نے تمام گناہوں سے توبہ کی مگر لیلیٰ کی محبت سے میں توبہ نہیں کرتا۔ اب ہر ایک کی لیلیٰ مختلف ہوتی ہے۔ جو دوکاندار ہے وہ حرام اور حلال سے، ملاوٹ اور کم تولنے کے ذریعے سے پیسہ کماتا ہے، گویا اس کی لیلیٰ پیسہ ہے۔ وہ دھوکا دینے سے بھی نہیں گھبراتا۔ کسی کی لیلیٰ کرسی بنی ہوتی ہے وہ کرسی کی خاطر ہر قسم کے پاپڑ بیلتا ہے۔ کسی کی لیلیٰ کوئی عورت بنی ہوتی ہے۔ کسی کی لیلیٰ نمبرداری حاصل کرنا بنی ہوتی ہے۔

کانپور کے بچے کی معصومانہ توبہ

اگر انسان توبہ کرے تو سچی پکی توبہ کرے۔ وہ کانپور کے بچے کی طرح توبہ نہ کرے۔ کانپور میں ایک بچہ تھا۔ وہ اپنے باپ سے بہت پیسے مانگتا تھا۔ ہر وقت ہی پیسوں کے لئے تنگ کرتا تھا۔ ایک دن ان کے گھر کوئی عالم آئے تو اس کے والد نے ان سے کہا کہ اس بچے کو سمجھائیں کہ یہ مجھ سے پیسے بہت مانگتا ہے۔ انہوں نے اس کو کافی سمجھایا کہ اس طرح تنگ نہ کیا کر، تو معافی مانگ لے۔ اس نے ساری بات سن کر اپنے کان دونوں ہاتھوں سے پکڑ لئے اور کہنے لگا کہ میں اس گناہ سے معافی مانگتا ہوں۔ مجھے اللہ تعالیٰ معاف فرمادے۔ سب گھر والے خوش ہوگئے کہ بہت اچھا ہوا۔ اس کے بعد اس نے ہاتھ نیچے کئے اور اپنے باپ کو کہنی مار کر کہنے لگا، اب تو میں نے توبہ کرلی ہے۔ اب تو مجھے پیسے دے دو۔

میرے دوستو! ہماری توبہ ایسی نہیں ہونی چاہئے کہ ادھر تو ہم توبہ کر کے نکلیں اور ادھر پھر وہی کام کرنا شروع کردیں۔

ایک تجربہ شدہ بات

میرے دوستو! زندگی میں بارہا ہم نے اس بات کا تجربہ کیا کہ کتنے ہی کمزور دوست ایسے ہوتے ہیں مگر دل میں نیت پکی کر لیتے ہیں۔ اس لئے ان کو نیک نیتی کا صدقہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو شیطان کے مقابلے میں ہمیشہ کامیابی عطا فرماتے ہیں۔ اس لئے ہم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ توبہ کرتے وقت سوچیں کہ اس پروردگار کی میں کیوں نافرمانی کروں، میں کیوں گناہوں کی دلدل میں پھنسا رہوں۔ آج وقت ہے میں ہوش وحواس میں اپنے گناہوں سے توبہ کرلوں گا تو اللہ تعالیٰ میری زندگی میں خوشیاں اور برکتیں عطا فرمائیں گے۔

نفس کی چالوں کا بہترین حل

میرے دوستو! توبہ کرنے کے بعد اگر کوئی یہ سمجھے کہ میں تو گناہوں سے نہیں بچ سکتا۔ تو اسے یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ واقعی انسان کمزور ہے، اس پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے۔ اور نفس بھی قوی ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے گناہوں سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے مگر میرا رب تو شیطان کو بھی پیچھے دھکیل سکتا ہے۔ اور میرے نفس کو بھی مطمئنہ بنا سکتا ہے۔ بہر حال توبہ کرنے کے بعد انسان حتی المقدور اپنی طرف سے گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا رہے۔ کبھی نفس اگر گناہوں کی طرف مائل کرے بھی تو یہ نفس کو توبہ کی طرف مائل کرے۔ مگر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے نفس کو پچھاڑ نہیں سکتے۔ بیچاروں کی اپنی پشت لگ جاتی ہے، ان کو نفس گرالیتا ہے۔ ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے حضرت مجذوبؒ فرماتے ہیں۔

نہ چت کر سکے نفس کے پہلواں کو
تو یوں ہاتھ پاؤں بھی ڈھیلے نہ ڈالے
ارے اس سے کشتی تو ہے عمر بھر کی
کبھی وہ دبا لے کبھی تو دبا لے

اگر اب تک نفس نے ہمیں دبائے رکھا اور گناہ کروائے رکھے تو آج وقت ہے کہ ہم نفس کو دبائیں۔ نفس سے توبہ کروائیں کہ آج کے بعد ہم نے گناہ نہیں کرنا۔ کیا مشکل ہے کہ اللہ رب العزت کو ہمارا یہ خلوص اتنا پسند آجائے کہ ہمارے دلوں سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے، ہمارے نفس کے اندر سے خرابیوں کو دور فرمادے اور شریعت پر استقامت عطا فرمادے۔ اسی لئے ہم اس کی رحمت پر نظر کرتے ہوئے سچی پکی توبہ کرلیں۔ اس سے یہ فائدہ تو ہوگا کہ پچھلے گناہ تو معاف کردیئے جائیں گے۔

گناہوں کا نیکیوں میں بدلنا

دیکھئے کہ ایک آدمی جو پہلے مجرم تھا، خطا کار تھا جب اس نے پکی توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اس کے گناہوں کو معاف ہی کر دیا بلکہ دو کام اور بھی کر دیئے۔ پہلا کام تو یہ فَاُولٰئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنٰتٍ کہ ہم نے تمہارے گناہوں کو معاف ہی نہیں کیا بلکہ تمہارے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل فرما دیا ہے۔

سبحان اللہ، وہ جرم معاف ہی کر دیتے تو بڑی بات تھی مگر نہیں۔ وہاں تو کرم اور عطا کا معاملہ ہے اس لئے فرمایا کہ معاف تو ساری دنیا کر دیتی ہے۔ لیکن وہ سخی ایسا ہے کہ معاف ہی نہیں کرتا بلکہ معاف کرنے کے بعد گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل فرما دیتا ہے۔

گناہ کا طعنہ دینے والے کے لئے وعید

دوسرا احسان یہ فرمایا کہ اب دوسرے لوگوں سے کہا کہ جو بندہ اپنے گناہ سے توبہ کر لے اسے تم گناہ کا طعنہ نہ دینا، یہ شریعت کا مسئلہ ہے۔ چنانچہ وعید فرما دی کہ اگر ایک بندہ واقعی گنہگار تھا، اب سچی پکی توبہ کر چکا ہے، اب اگر تم میں سے کوئی بندہ اس کو اس گناہ کو طعنہ دے گا تو اس کو اس وقت تک موت نہ آئے گی جب تک اللہ تعالیٰ خود اس کو اس گناہ میں ملوث نہ کر لے گا۔ سبحان اللہ، اس کی عزت کی ایسی حفاظت کی کہ لوگوں کی زبانوں کو بند کر دیا کہ تم میں سے کسی کی جرأت نہیں کہ گزرے ہوئے گناہ کی عار دلائے اور اسے طعنہ دے۔ کیونکہ اگرچہ یہ غافل تھا مگر اب توبہ کر چکا ہے، یہ صلح کر چکا ہے، میرے در پر آ چکا ہے، اور جو شہنشاہ کے در پر آ جائے اس کی خطائیں معاف کر دی جاتی ہیں۔ سبحان اللہ، شریعت نے کیسا عجیب تصور دیا ہے کہ اگر کوئی گنہگار ہو تو اس گنہگار سے نفرت نہیں کرنی چاہئے بلکہ گناہوں سے نفرت کرنی چاہئے۔ جیسے بیمار سے نفرت نہیں کی جاتی بیماری سے نفرت کی جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ

وہ سچی توبہ کر لے اور اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو اس کی نیکیوں میں تبدیل فرما دے۔ سچی بات ہے کہ

کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے

رحمت اور فضل میں فرق

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے دو الفاظ استعمال فرمائے۔ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَتُہٗ اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی۔ یہ دو الفاظ کیوں ارشاد فرمائے؟ حالانکہ فضل کا لفظ بھی کافی تھا یا رحمت کا لفظ بھی کافی تھا۔ مگر ملتے جلتے دو الفاظ استعمال فرمائے۔ مفسرین نے پھر آگے اس کی تفصیل لکھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک بندہ توبہ کرتا ہے تو اس کی خطا کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں، یہ تو ہو گئی اللہ کی رحمت، کہ رحمت کی وجہ سے اس کے اتنے بڑے جرم کو معاف فرما دیا۔ اور دوسرا اپنی طرف سے یہ انعام بھی عطا کیا کہ گناہوں کے باوجود رب کریم نے انہیں نیکیوں میں تبدیل فرما دیا۔ اس کو کہتے ہیں ''اللہ کا فضل''۔ اس لئے فضل اور رحمت دو الفاظ الگ الگ استعمال فرمائے۔

گنہگار پر اللہ تعالیٰ کی نوازشات

دنیا کی عدالت میں کسی پر کوئی ایسا مقدمہ درج ہو جائے جو غلط ہو اور عدالت بھی تحقیق کرے کہ مقدمہ غلط تھا تو عدالت فیصلہ کرتی ہے کہ ہم نے اس معاملہ میں تحقیق کی، گواہیاں لیں اور اس نتیجہ پر ہم پہنچے ہیں کہ مقدمہ غلط تھا لہٰذا اس آدمی کو باعزت بری کر دیا گیا۔ پھر وہ عدالت اس آدمی کو باعزت بری کرنے کے باوجود اس جھوٹے مقدمہ کا بھی اپنے پاس ریکارڈ ضرور رکھتی ہے۔ دنیا کی عدالت کا تو یہ معاملہ ہے جب کہ رب کریم کی عدالت کا یہ معاملہ ہے کہ ایک آدمی جو واقعی مجرم ہے اور اس کے گناہ کا جرم ثبوت کے ساتھ موجود ہے اور فرشتے اس کو عدالت کی کتابوں میں لکھ

چکے ہیں کہ یہ اتنے بڑے بڑے گناہ کرنے والا مجرم ہے۔ جب وہ رحم کی اپیل کرتا ہے تو رب کریم اس کے گناہوں کو فقط معاف ہی نہیں فرماتے بلکہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نامہء اعمال میں سے ان گناہوں کو مٹا بھی دیتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے بندے! تو ہمارے سامنے نادم وشرمندہ ہو گیا ہے لہٰذا ہم نے تجھے سچے مقدمہ سے باعزت بری کر دیا ہے اور مقدمہ کے ریکارڈ کو بھی ہم نے اپنی عدالت سے ختم کر دیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فقط نامہ اعمال سے ہی ریکارڈ ختم نہیں کرواتے بلکہ اَنْسَی اللّٰہُ الْحِفْظَۃَ اللہ تعالیٰ لکھنے والے فرشتوں کی یادداشت سے بھی ان گناہوں کو نکال دیتے ہیں تاکہ قیامت کے دن میرے بندوں کے خلاف گواہی نہ دے سکیں۔ سبحان اللہ

عصیاں سے کبھی ہم نے کنارہ نہ کیا
پر تو نے دل آزردہ ہمارا نہ کیا
ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر
لیکن تیری رحمت نے گوارا نہ کیا

ہم تو گناہ کماتے پھرتے ہیں، جہنم کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں۔ اور رب کریم ہیں جو جہنم سے ہٹا کر پھر جنت کی طرف متوجہ فرماتے ہیں۔ ساری ساری زندگی اپنی من مانیاں کرنے والے بھی موت کے قریب جا کر معافی مانگ لیتے ہیں اور پروردگار ان کی بھی توبہ قبول فرما لیتے ہیں۔

ایک سبق آموز واقعہ

ایک بزرگ تھے انہوں نے دعا مانگی کہ اے اللہ! اس وقت جو آدمی سب سے زیادہ گنہگار ہے میں اس بندے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ اللہ رب العزت نے الہام فرمایا کہ فلاں جگہ پر ایسا آدمی رہتا ہے۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک نوجوان اپنے جوانی

کے کاموں میں مست ہے۔ نہ اسے سورج نکلنے کی پروا ہے اور نہ ڈوبنے کا فکر ہے۔ وہ اپنی شہوات میں زندگی گزار رہا ہے۔ ایک لمحہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہیں ہو رہا۔ گناہوں پہ گناہ کر رہا ہے۔ اسے دیکھ کر آپ واپس تشریف لے آئے۔ چند دنوں کے بعد پھر دل میں خیال آیا تو دعا مانگی۔ اے اللہ! میں تیرا بڑا ہی عبادت گزار بندہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور نشاندہی فرما دی کہ فلاں جگہ پر ہے۔ جب وہاں گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ عین وہی آدمی وہاں پر بیٹھا ہوا ہے۔ بڑے حیران ہوئے۔ دعا مانگی کہ یا اللہ! یہ کیا معاملہ ہے؟ سب سے گنہگار بھی یہی ہے اور سب سے زیادہ نیکوکار بھی یہی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ ابھی دو چار دن پہلے اس کا بیوی سے جھگڑا ہوا۔ بیوی نے اسے گناہوں کے طعنے دیئے، اسے لعنت ملامت کی کہ تیرے اتنے گناہ، اتنے گناہ۔ اس نے جواب میں کہا کہ مانتا ہوں اور شرمندہ ہوں کہ میرے اتنے گناہ ہیں مگر یاد رکھنا کہ میرے پروردگار کی رحمت اس سے بھی زیادہ ہے۔ ہمیں اس کا حسن ظن پسند آیا اور ہم نے اس کے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل فرما دیا۔ سبحان اللہ

کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے

چہرہ پر آنسو ملنے کی فضیلت

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جب کوئی دعا مانگتے اور آنکھ سے کوئی آنسو آتا تو حضرتِ اقدس ان آنسوؤں کو اپنے چہرے پر مل لیا کرتے۔ ایک طالبعلم نے دیکھ لیا۔ اس نے کہا کہ حضرت! آپ کا یہ عمل کس بنا پر؟ فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان آنسوؤں کی برکت سے میرے چہرے کو جہنم کی آگ سے محفوظ فرمائیں گے۔ وہ بھی طالبعلم تھا، کہنے لگا، حضرت! کسی کا چہرہ بچ بھی گیا اور باقی جسم کے اعضاء نہ بچے تو پھر کیا فائدہ۔ اس پر حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت

بیان فرمائی۔فرمایا کہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کے وقت میں ایک وزیر فوت ہوا۔اس وزیر کا ایک بیٹا چھوٹی عمر کا تھا مگر بڑا سمجھدار تھا۔بادشاہ نے اس بچے کو دل لگی کی خاطر بلایا۔جب وہ بچہ حاضر ہوا تو اورنگ زیب عالمگیرؒ اس وقت ایک تالاب میں جو اپنے محل میں بنوایا تھا نہا رہے تھے۔اسے دیکھ کر آپ کنارے پر آئے۔وہ بچہ قریب ہوا سلام کیا۔جب اس نے مصافحہ کیا تو آپ نے اس کی انگلیاں مضبوطی سے پکڑ لیں اور اسے کہا کہ میں تمہیں کھینچ کر پانی میں نہ ڈال لوں۔وہ بچہ مسکرا پڑا۔اورنگ زیبؒ بڑے حیران ہوئے کہ بچے کو تو گھبرانا چاہئے تھا اور کہتے بھی سبھی ہیں کہ بڑا سمجھدار ہے۔چنانچہ آپ نے پوچھا کہ تو کیوں ہنس رہا ہے۔؟ وہ بچہ کہنے لگا، بادشاہ سلامت! میرے ہاتھوں کی چند انگلیاں آپ کے ہاتھوں میں ہیں، بھلا مجھے ڈوبنے کا کیا ڈر ہے۔یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے کھینچ کر اس پانی میں ڈبو دیں گے۔

یہ حکایت سنا کر حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر اس بچے کو بادشاہ کی انگلیاں پکڑنے پر اتنا اعتماد ہے تو کیا اللہ کی رحمت پر ہمیں اتنا بھی اعتماد نہ ہو کہ اگر وہ چہرہ کو جہنم کی آگ سے بچائے گا تو پورے جسم کو بھی جہنم کی آگ سے آزاد فرما دے گا۔ہر دینے والا اپنی حیثیت کے مطابق دیتا ہے لَا یَحْمِلُ عَطَاءَ الْمَلِکِ اِلَّا مَطَایَاهُم بادشاہوں کی دین تو بادشاہوں کی سواریاں ہی اٹھایا کرتی ہیں۔اللہ رب العزت سے بہترین حسن ظن رکھیں گے تو وہ اپنی شان کے مطابق معاملہ فرمائیں گے۔اللہ اکبر

چار دیناروں کی برکت

ایک آدمی شرابی تھا۔ایک دفعہ اس کے دوست اسے ملنے آئے۔اس نے ان کی خاطر تواضع کے لئے اپنے ایک غلام کو چار دینار دے کر سودا سلف خریدنے کے

لئے بھیجا۔وہ بازار جا رہا تھا کہ راستے میں ایک جگہ ایک بزرگ کھڑے تھے اور کہہ رہے تھے کہ جو آدمی جتنے دینار دے گا میں اس کے لئے اتنی دعائیں کروں گا۔اس نے اس کو ایک دینار دیا۔انہوں نے کہا، کون سی دعا کروں؟ جی دعا کریں کہ میرا مالک مجھے آزاد کر دے۔انہوں نے دعا کر دی۔پھر دوسرا دینار دیا۔انہوں نے پوچھا، بھئی! کیا دعا کروں؟ جی میرا مالک مجھے اس کا بدلہ دے دے۔انہوں نے یہ بھی دعا کر دی۔پھر اس نے تیسرا دینار دیا۔انہوں نے پوچھا کیا دعا کروں؟ جی دعا کریں کہ میرا مالک سچی توبہ کر لے۔انہوں نے یہ دعا بھی کر دی۔اس کے بعد چوتھا دینار دیا۔انہوں نے پھر پوچھا، بتاؤ بھئی! کیا دعا کروں؟ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ میری اور میرے مالک کی مغفرت کر دے۔انہوں نے یہ بھی دعا کر دی۔

اب وہ چار دعائیں لے کر واپس گھر آ گیا۔مالک نے پوچھا، جی کوئی چیز لائے ہو۔کہنے لگا، جی نہیں، وہاں تو مسئلہ ہی کچھ اور بن گیا تھا۔اس نے پوچھا کیا مسئلہ بنا؟ اس نے جواب دیا کہ راستے میں ایک بزرگ کھڑے تھے اور کہہ رہے تھے کہ جو مجھے جتنے دینار دے گا میں اس کے لئے اتنی ہی دعائیں دوں گا۔میں نے چار دینار دے دیئے اور چار دعائیں کروا لیں۔اللہ تعالیٰ کی شان کہ اس مالک کے دل پر اس بات کا ایسا اثر ہوا کہ پوچھنے لگا، اچھا بتاؤ، کیا دعائیں کروائی ہیں؟ اس نے کہا کہ میں نے پہلی دعا یہ کروائی کہ میرا مالک مجھے آزاد کر دے۔وہ کہنے لگا، اچھا یہ تو قبول ہوئی، میری طرف سے تو آزاد ہے۔پوچھا، دوسری دعا کیا کروائی؟ دوسری دعا یہ کروائی کہ مجھے میرے دیناروں کا بدلہ مل جائے۔اس کے پاس دیناروں کی ایک تھیلی بھری پڑی تھی، اس نے اٹھا کر وہ تھیلی اس کے سامنے رکھ دی اور کہا کہ لو تیری یہ دعا بھی قبول ہوئی۔اس نے پوچھا کہ تیسری دعا کیا کروائی تھی؟ اس نے کہا کہ تیسری دعا یہ کروائی تھی کہ میرا مالک سچی توبہ کر لے۔تھوڑی دیر سوچتا رہا۔بالآخر کہنے لگا کہ تیسری دعا بھی قبول ہوگئی۔میں نے آج کے بعد سچی توبہ کر لی ہے۔پوچھا چوتھی

دعا کیا کروائی تھی؟ جی چوتھی دعا یہ کروائی تھی کہ میری اور میرے مالک کی مغفرت ہوجائے۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ خیر بات آئی گئی ہوگئی۔ وہ مالک جب رات کو سویا تو اس نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا اس کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے کہ بندے! جب تو نے وہ کچھ کر دیا جو تو کر سکتا تھا تو ہم وہ کچھ کریں گے جو ہم کر سکتے ہیں۔ ہم نے تیری اور تیرے غلام دونوں کی مغفرت فرمادی ہے۔ اللہ اکبر

سو آدمیوں کا قاتل جنت میں

بنی اسرائیل کے ایک آدمی کی روایت حدیث پاک میں آئی ہے۔ اس نے ننانوے قتل کئے۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ میں بڑا گنہگار اور بڑا خطاکار ہوں، پتہ نہیں کہ میری توبہ کی بھی کوئی صورت بنے گی یا نہیں۔ چنانچہ توبہ کی نیت سے وہ کسی صوفی صاحب کے پاس پہنچا اور اس سے پوچھا کہ میں نے ننانوے قتل کئے ہوئے ہیں، کیا میری بھی توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ اس نے کہا توبہ توبہ! ننانوے قتل اور اب تو کہتا ہے کہ میں گناہوں سے توبہ کرلوں۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی، اس نے بھی آگے اسی طرح کی بات کر دی۔ اس کو غصہ آیا اور اس نے کہا، اچھا میں بھی سنچری مکمل کئے دیتا ہوں۔ اس نے اسے بھی قتل کر دیا۔ مگر دل میں خلش باقی تھی۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد دل میں پھر یہ احساس پیدا ہوا کہ میں سو بندوں کا قاتل ہوں، میرا کیا بنے گا؟ لہٰذا کسی دوسرے آدمی سے پوچھا۔ اس نے کہا فلاں بستی میں علماء رہتے ہیں، ان کے پاس چلے جاؤ، وہ تمہیں توبہ کا طریقہ بتائیں گے۔ اب اس حدیث مبارکہ سے یہ بات بھی سمجھ میں آگئی کہ اگر کوئی انسان توبہ تائب ہونا چاہے تو کسی اللہ والے کے پاس جا کر اگر وہ توبہ کے کلمات پڑھ لے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ جلد قبول فرمائیں گے۔ خیر وہ آدمی توبہ کی نیت دل میں لے کر اس بستی کی طرف چل

پڑا قضا و قدر کا فیصلہ کہ راستے میں ہی تھا کہ اسے موت آگئی۔ اس کے پاس جنت والے فرشتے بھی آگئے اور جہنم والے فرشتے بھی آگئے۔ دونوں کی یہ کوشش تھی کہ اسے ہم اپنے ساتھ لے جائیں۔ جنت والے فرشتوں کی یہ دلیل کہ یہ توبہ کی نیت سے جارہا تھا لہٰذا اسے جنت میں جانا چاہئے اور جہنم والے فرشتوں کی یہ دلیل کہ نہیں یہ تو سو بندوں کا قاتل ہے، ابھی توبہ تو نہیں کی، اس لئے اسے جہنم میں لے جانا چاہئے۔ اب دونوں میں بحث و مباحثہ شروع ہوگیا۔ مگر معاملہ طے نہ ہوسکا۔

اللہ رب العزت کے حضور فیصلے کے لئے بات پہنچی۔ اللہ رب العزت نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ اے میرے فرشتو! یہ توبہ کی نیت سے جو گھر سے چل پڑا تھا، ذرا فاصلہ تو دیکھو۔ اگر یہ اس بستی کے قریب پہنچ گیا تھا جہاں اس نے توبہ کرنی تھی تو پھر جنت والے فرشتے لے جائیں اور اگر ابھی تھوڑا ہی فاصلہ کیا ہے تو اسے جہنم والے فرشتے لے جائیں گے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ پروردگار عالم نے فرشتوں کو تو یہ حکم فرمایا مگر زمین کو بھی ساتھ ہی حکم کر دیا کہ اے زمین! تو سکڑ جا۔ چنانچہ اس بستی کی طرف کی زمین سکڑ گئی۔ جب فرشتوں نے فاصلہ کی پیمائش کی تو پتہ چلا کہ اسے موت تو وہاں آئی جہاں دونوں راستوں کے بالکل درمیان کی لائن بنتی تھی۔ مگر مرتے مرتے، گرتے پڑتے اس کی لاش اگلی بستی کی طرف جا کر گری۔ بس اتنا فاصلہ توبہ کی بستی کے قریب ہونے کی وجہ سے رب کریم نے فرمایا، چونکہ یہ توبہ والی بستی کے قریب ہوگیا ہے اس لئے ہم نے اس کے گناہ معاف فرما کر اسے جنت عطا کر دی ہے۔ سبحان اللہ۔

میرے دوستو! اگر مرتے مرتے بھی ہماری لاش توبہ کی بستی کی طرف جا کر گرے گی تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی معاف فرمادیں گے۔ اور اگر کوئی اپنے ہوش وحواس میں توبہ کرے گا پھر اللہ رب العزت اس کی توبہ کو کیوں نہیں قبول فرمائیں گے۔ لہٰذا ہمیں وقت سے فائدہ اٹھا کر زندگی کے گناہوں سے سچی توبہ کرنی چاہئے۔

ایک بت پرست کی پکار کا جواب

ایک بت پرست تھا۔ وہ پریشان حال ہو کر ساری رات اپنے بت سے دعائیں مانگتا رہا۔ وہ اس کے سامنے یا صنم یا صنم پکارتا رہا۔ مگر کوئی بات نہ بنی۔ حتیٰ کہ اسے اونگھ آنے لگی۔ اونگھ میں اس کی زبان سے یا صمد یا صمد نکل گیا۔ صمد اللہ رب العزت کا نام ہے۔ جیسے ہی اس نے یا صمد کہا اللہ رب العزت کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہوئی اورر پروردگارِ عالم نے فرمایا،

لبیک یاعبدی [میرے بندے! میں حاضر ہوں]

جب پروردگارِ عالم نے یہ جواب دیا تو فرشتے حیران ہو کر پوچھنے لگے کہ اے پروردگارِ عالم! وہ ایک بت پرست ہے، وہ ساری رات بت کے نام کی تسبیح جپتا رہا، اس نے اونگھ کی وجہ سے غفلت میں یا صمد کہا ہے اور اس کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ اللہ رب العزت نے فرمایا، ٹھیک ہے کہ وہ بت پرست تھا اور ساری رات بت کے نام کی تسبیح جپتا رہا، اس بت نے اس کو کوئی جواب نہ دیا اور اس نے اونگھ میں مجھے پکارا، اگر میں بھی جواب نہ دیتا تو پھر مجھ میں اور بت میں کیا فرق رہ جاتا...... اللہ اکبر

قارون کی سرکشی کا واقعہ

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے قارون سے فرمایا کہ تمہارے پاس بہت زیادہ مال ہے لہٰذا تم اس میں سے زکوٰۃ ادا کرو۔ اس نے خطرہ محسوس کیا کہ اس طرح تو میرا مال کم ہو جائے گا۔ لہٰذا اس نے سوچا کہ کوئی ایسی بات کی جائے کہ ان (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کی Public Insult ہو جائے۔ عوام الناس میں ان کی بے عزتی ہو جائے۔ پھر میں ان کی بات نہیں مانوں گا۔ بلکہ میں کہوں گا کہ ایسے بندے کی بات میں نہیں مانتا۔ چنانچہ اس نے کسی عورت سے کہا کہ جب موسیٰ علیہ السلام قوم کے سامنے خطاب کریں تو تو کھڑے ہو کر کہنا کہ یہ تو میرے ساتھ بدکاری کا ارادہ کر رہے تھے، تم صرف الزام لگا دینا باقی پروپیگنڈہ ہم خود سنبھال لیں گے۔ اور میں تمہیں اس کے بدلے میں اتنے اتنے پیسے دوں گا۔ وہ مال کے جھانسے میں آ کر کہنے لگی، بہت اچھا چنانچہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو وعظ و نصیحت کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ اتنے میں وہ عورت کھڑی ہو گئی۔ جب کھڑی ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام کے تقدس اور جلال کو دیکھ کر کانپ گئی اور سچ سچ بات کہہ سنائی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت غصہ آیا۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے میرے پیارے موسیٰ علیہ السلام! ہم نے زمین کو تیرے تابع بنا دیا ہے تو جو اسے حکم کرے گا یہ اس حکم کو پورا کرے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین سے کہا کہ تو قارون کو نگل جا۔ زمین پھٹی اور اس نے اس کے پاؤں جکڑ لئے۔ قارون معافی مانگنے لگا۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام جلال میں تھے لہٰذا دوبارہ حکم دیا کہ اے زمین تو اسے نگل جا۔ زمین نے اس کو پیٹھ تک اپنے اندر لے لیا۔ وہ پھر بھی لجاجت کے ساتھ معافی مانگتا رہا مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معاف نہ کیا، تیسری دفعہ پھر یہی فرمایا کہ اے زمین! اسے نگل جا۔ زمین اسے نگل گئی۔ قیامت تک وہ زمین میں دھنستا رہے گا۔

جب قارون زمین میں دھنس گیا اور موسیٰ علیہ السلام کا جلال کچھ ٹھنڈا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میرے پیارے موسیٰ علیہ السلام! وہ آپ کے سامنے روتا رہا اور معافی مانگتا رہا مگر آپ زمین کو حکم دیتے ہی رہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا، اے اللہ! اس نے الزام بھی تو اتنا بڑا لگایا تھا۔ فرمایا، ٹھیک ہے لیکن اگر وہ مجھ پروردگار کے سامنے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا تو میں پروردگار تو اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتا۔

کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے

ہم انسان تھوڑے ظرف والے ہوتے ہیں۔ تھوڑی سی کوئی بات پیش آ جائے تو ہمارا جی چاہتا ہے کہ اس بندے کے اندر سے جان نکال دیں، ہمارا جی چاہتا ہے کہ اس کے ٹکڑے کر دیں، ہمارا جی چاہتا ہے کہ اس کو اپنی نگاہوں سے نیچے گرا دیں، ہمارا

حسد اتنا ہوتا ہے کہ اس کو ذلیل ورسوا کردینے کے درپے ہوجاتے ہیں۔ ہمارے اندر طوفان ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو اچھا دیکھ نہیں سکتے۔ لیکن پروردگار کا تو معاملہ ہی کچھ اور ہے۔

ایک چغلخور پر اللہ تعالیٰ کی رحمت

بنی اسرائیل ہی کا ایک بڑا مشہور واقعہ ہے۔ ایک دفعہ قحط پڑ گیا۔ بارش بند ہو گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر باہر نکلے تا کہ بارش کی دعا مانگیں۔ چنانچہ دعا مانگی مگر بارش کے آثار پھر بھی نظر نہیں آرہے تھے۔ بڑے حیران و پریشان تھے۔ پانی کے قطروں کو انسان، پرندے، چرندے اور درندے بھی ترستے تھے۔ آپ دوبارہ پروردگار کی طرف متوجہ ہوئے اور دعا مانگی کہ اے رب کریم! رحمت کی بارش عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ اے میرے پیارے پیغمبر! میں رحمت کی بارش کیسے برساؤں، اس مجمع میں تو ایک چغلخور موجود ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوگئے۔ آپ نے ساری قوم کو مخاطب کر کے کہا کہ، اس مجمع میں ایک چغلخور موجود ہے۔ جب تک وہ یہاں ہے اس وقت تک رحمت کی بارش نہیں ہوگی۔ بہتر ہے کہ وہ نکل جائے تا کہ باقی لوگ تو رحمت سے محروم نہ ہوں۔ لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ اللہ کی شان کہ جو بندہ چغلخور تھا اس نے دل میں سوچا کہ اوہو! میں اتنا برا ہوں کہ میری وجہ سے ساری قوم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہوچکی ہے۔ وہ بڑا شرمسار ہوا۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ میں اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں اور نکل کر چلا جاتا ہوں۔ مگر اس کو پھر خیال آیا کہ میرے پروردگار! میں جب تک چغلخور بنا رہا تب تک تو آپ نے مجھے رسوا نہ کیا اور جب میں توبہ کی نیت کر چکا ہوں تو کیا اب آپ مجھے رسوا فرما دیں گے۔ وہ ابھی یہ بات سوچ ہی رہا تھا کہ رحمت کی بارش چھم چھم برسنے لگ گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی حیران ہوئے۔

جب بارش خوب ہو چکی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے، اے رب کریم! آپ نے خود ہی ارشاد فرمایا تھا کہ ایک چغلخور کی وجہ سے رحمت رکی ہوئی ہے اور خود ہی بارش برسا بھی دی حالانکہ نکل کر کوئی بھی نہیں گیا۔ تو پروردگار نے فرمایا اے میرے پیارے پیغمبر! جس بندے کی وجہ سے رحمت رکی ہوئی تھی اسی بندے کی وجہ سے رحمت برس گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور زیادہ حیران ہوئے اور پوچھا، اے اللہ! وہ بندہ کون ہے؟ تو رب کریم نے فرمایا، جب میں چغلخوری کو اتنا ناپسند کرتا ہوں کہ رحمت کی بارش نہیں برساتا تو میں اس بندے کی چغلی کیسے کھاؤں۔ سبحان اللہ سبحان اللہ

کتنے بڑے حوصلے ہیں پروردگار کے

ایک عورت کی پاکدامنی سے قحط سالی ختم

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب واقعہ لکھا۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دہلی میں قحط پڑا۔ بارش نہیں ہوتی تھی۔ حتی کہ درخت خشک ہوگئے، دریاؤں اور نہروں کا پانی کم ہوگیا، لوگ پریشان تھے کہ فصلیں نہیں ہو رہیں۔ قحط سالی کی وجہ سے چرند پرند پریشان ہوگئے۔ حتی کہ سب لوگ شہر سے باہر نکلے کہ ہم نماز استسقاء پڑھیں اور اللہ رب العزت سے دعا مانگیں۔ سب [illegible]ء صلحاء بھی شہر سے باہر آگئے۔ سب نے مل کر نماز استسقاء پڑھی اور دعا مانگی مگر پھر بھی بارش کے آثار ظاہر نہ ہوئے۔

اسی اثناء میں ایک نوجوان اپنی والدہ کو لے کر قریبی راستے سے گزر رہا تھا۔ اس نے لوگوں کو اکٹھا دیکھا تو قریب آیا اور سواری سے اتر کر پوچھا کہ لوگ یہاں کیوں جمع ہیں۔ انہوں نے کہا، قحط سالی ہے، رحمت کی بارش مانگ رہے ہیں، سب معافی مانگ رہے ہیں۔ مگر بارش کے آثار ظاہر نہیں ہو رہے۔ وہ کہنے لگا، بہت اچھا۔ وہ نوجوان گیا اور اپنی والدہ کی چادر کا کونہ پکڑ کر اس نے چند الفاظ کہے۔ اس نوجوان

کے وہ الفاظ کہنے ہی تھے کہ آسمان پر بادل چھا گئے اور خوب بارش برسنا شروع ہو گئی۔

علماء صلحاء اور دوسرے لوگ حیران ہوئے کہ اتنے لوگوں نے توبہ کی مگر رحمت کی بارش نہ برسی، اس نوجوان سے پوچھا کہ اے نوجوان، ہمیں بھی ذرا بتا کہ تیرے وہ کون سے الفاظ تھے جنہوں نے رحمت کو کھینچ لیا تو وہ کہنے لگا، میں اس ماں کا بیٹا ہوں جو تقیہ، نقیہ اور پاک صاف زندگی گزار چکی ہے۔ میں نے جا کر اس کی چادر کا کونہ پکڑا اور کہا، اے رب کریم! یہ میری وہ ماں ہے جس نے پاکدامنی کی زندگی گزاری، آپ کو اس کی پاکدامنی کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ رحمت کی بارش برسا دیں۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً رحمت کی بارش برسادی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جب انسان نیکی کی زندگی اختیار کرتا ہے تو رب کریم کی بڑی رحمت ہوتی ہے۔

اخلاص کی قدر و قیمت

میرے دوستو! ایک وقت تھا جب لوگ اپنے اوپر آنے والی مصیبتوں کے وقت اپنے پر خلوص اعمال اپنے پروردگار کے حضور پیش کرتے تھے اور اللہ رب العزت ان کی مصیبتیں دور فرما دیا کرتے تھے۔ ایک مشہور حدیث پاک ہے کہ تین آدمیوں نے مل کر سفر اختیار کیا۔ راستے میں طوفان آ گیا۔ طوفان سے بچنے کے لئے وہ ایک غار میں چلے گئے۔ غار کے منہ پر پتھر آ گیا۔ اب کوئی نکالنے والا نہ تھا۔ چنانچہ بہت پریشان ہوئے۔ تینوں نے مشورہ کیا کہ ہم اللہ رب العزت کے حضور اپنے اپنے اعمال پیش کریں۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے ماں باپ کی خدمت اتنی کی کہ ایک دفعہ میری والدہ نے مجھ سے پانی مانگا۔ اس کی آنکھ لگ گئی۔ میں پانی لے کر صبح تک ان کے جاگنے کے انتظار میں کھڑا رہا۔ اے اللہ! اگر میرا یہ عمل صرف تیری رضا حاصل کرنے کے لئے تھا تو ہمیں اس مصیبت سے نجات عطا فرما دے۔ پتھر تھوڑا سا ہٹ گیا۔

تیسرے نے کہا۔ میرا اپنی چچازاد بہن سے تعلق تھا۔ میں اس کو برائی کے لئے آمادہ کرتا رہا مگر وہ ہوتی نہیں تھی۔ ایک وقت ایسا آیا کہ وہ حالات سے مجبور ہو کر میرے لالچ میں آ گئی۔ میں نے برائی کا ارادہ کر لیا۔ جب میں برائی کے لئے بالکل تیار ہو گیا تو وہ مجھ سے کہنے لگی کہ دیکھ، اللہ سے ڈر، میری مجبوری سے فائدہ نہ اٹھا۔ اس کی بات میرے دل میں ایسی بیٹھی کہ میں نے برائی سے توبہ کر لی اور پھر برائی کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوا۔ اے اللہ! اگر میرا یہ عمل تیری بارگاہ میں شرف قبولیت حاصل کر چکا ہے تو ہمیں اس مصیبت سے نجات عطا فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے پتھر کو اس غار کے منہ سے ہٹا دیا۔ اور یوں ان تینوں کی جان بچ گئی۔ یہ حدیث پاک یاد کر کے میں سوچ رہا تھا کہ پہلے لوگ ایسے معاملات میں اللہ رب العزت کے سامنے اپنے اعمال پیش کرتے تھے۔ اب اگر ہم اپنی زندگی میں سوچیں تو یقین جانئے کہ کوئی عمل ایسا نظر نہیں آتا جو اللہ رب العزت کے حضور پیش کرنے کے قابل ہو۔

ہر چہ گیرد علتی شود

علتی جو کرتا ہے اس کے ہر عمل میں علت ہوتی ہے۔

کہیں ریاکاری ہے، کہیں اپنے آپ کو نیک کہلوانا ہے، حتیٰ کہ زندگی کا کوئی عمل ایسا نظر نہیں آتا جو اللہ رب العزت کی رضا کے لئے کیا ہو۔ یاد رکھئے کہ اگر 100% میں سے 99% عمل اللہ تعالیٰ کے لئے کیا جائے اور اس میں ایک فیصد کوئی اور شبہ آ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے اس عمل کو پھٹے ہوئے کپڑے کی طرح اس کے منہ پر مار دیں گے۔ البتہ یہ اللہ رب العزت کا حوصلہ ہے کہ اس نے ہمارے جان بوجھ کر کئے ہوئے برے عملوں کے باوجود ہماری ستاری فرمائی ہوئی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کا واقعہ

سیدنا آدم علیہ السلام سے ایک بھول ہوئی۔ شیطان نے قسمیں کھا کھا کر انہیں کہا کہ

تم یہ کام کرلو۔ ان کے تصور میں یہ رہا کہ ہمیں اس درخت سے منع کیا گیا ہے وہ درخت فلاں جگہ تھا، تخصیص ذہن میں تھی، تعمیم نہیں تھی، کہ عام ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ چلو جس درخت کی طرف اشارہ کیا گیا تھا ہم اس درخت کا پھل نہیں کھاتے۔ لہٰذا بھول ہوگئی۔ اب کیا ہوا؟ پروردگار عالم نے جو جنت کی پوشاک پہنائی ہوئی تھی اس وہ پوشاک اتار لی اور ان کو جنت سے نیچے اتار کر دنیا میں بھیج دیا گیا۔ حوا کو افریقہ کے گرم ترین علاقے میں اور آدم ؑ کو سری لنکا کے بہت ہی سرسبز علاقہ میں۔ درمیان میں ہزاروں میل کا فاصلہ تھا۔

اس کے بعد دونوں ایک دوسرے کی جدائی میں اتنا روئے کہ اگر ان کے آنسوؤں کے پانی کو جمع کیا جاتا تو دریا کے پانی کی مانند بہنے لگ جاتا۔ پھر عرفات کے جبل توبہ کے اوپر دونوں کو ملایا اور ان کی توبہ کو قبول فرمایا۔ اب دیکھئے کہ ایک بھول کی معافی کتنی مشکل سے جا کر ملی۔

امت محمدیہ ﷺ کے لئے توبہ کی سہولت

امت محمدیہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا عجیب معاملہ ہے۔ ہم کپڑے اتار کر گناہ کرتے ہیں اور پروردگار عالم ان بدنوں پر کپڑوں کو دوبارہ لوٹا دیتے ہیں۔ ہم گناہ کرتے ہیں گھر سے باہر نکل کر اور وہ ہمیں پھر بحفاظت گھروں کو واپس پہنچا دیتے ہیں۔ سمجھ میں تو بات یہی آتی تھی کہ جب جسم سے خود ہی گناہ کے لئے کپڑے اتارے تو اب اس جسم پر کپڑے نہ لوٹاتے، جیسے جنت کی پوشاک اتار لی تھی۔ گھر سے نکل کر گناہ کیا اب گھر کی نعمت دوبارہ نہ دیتے جیسے آدمؑ کو جنت سے نیچے اتار دیا تھا۔ مگر پروردگار کی رحمت دیکھئے کہ حکم دے دیا کہ بس تم نادم ہو جاؤ، دل میں شرمندہ ہو جاؤ ہم تمہارے دل کی ندامت اور شرمندگی کو ہی قبول کرلیں گے اور

تمہارے گناہوں کو معاف فرما دیں گے۔ اور تمہیں اپنی رضا کا سٹیفکیٹ دے دیں گے

اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا طریقہ

حضرت موسیٰ ؑ نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا، اے اللہ! تیری رضا کس میں ہے؟ فرمایا، میری رضا میری قضا میں ہے، جو میری قضا پر راضی ہوگا میں اپنے اس بندے سے راضی ہو جاؤں گا۔ اور جو میری قضا پر ناراض ہوگا میں بھی اس بندے سے ناراض ہو جاؤں گا۔ دیکھیں کہ ہم اپنے رب کی تقسیم پر راضی ہیں یا شکوہ کرتے ہیں۔

کچھ لوگوں نے حضرت موسیٰ ؑ سے ہی پوچھا کہ ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہیں؟ فرمایا، میں کوہ طور پر جاؤں گا اور اللہ رب العزت سے پوچھوں گا۔ چنانچہ جب کوہ طور پر تشریف لے گئے تو عرض کیا، اے پروردگار! آپ کے بندے یہ بات پوچھ رہے ہیں۔ رب کریم نے فرمایا، میرے بندوں سے جا کر کہہ دو کہ وہ اپنے دل میں جھانک کر دیکھیں اگر میرے بندے اپنے دلوں میں مجھ سے خوش ہیں تو میں اپنے بندوں سے خوش ہوں اور اگر وہ مجھ سے ناراض ہیں تو میں بھی اپنے بندوں سے ناراض ہوں۔ تو دل میں دیکھیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے شکوے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی محبت ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے دل میں اللہ رب العزت سے راضی رہیں۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے تعلیم فرمایا ''رَضِیتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّ بِمُحَمَّدٍ نَّبِیًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا'' یہ صبح و شام پڑھنا چاہئے۔

توبہ کی قبولیت کا آسان نسخہ

سورۃ مومن میں ہے غَافِرِ الذَّنْبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ ذِی الطَّوْلِ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ ان چند الفاظ کی تفسیر میں ایک گھنٹہ صرف ہو

سکتا ہے۔ تاہم بعض روایات میں ہے کہ جو انسان اپنے گناہوں سے معافی مانگنا
چاہے وہ اگر اپنی دعا میں یہ آیت بھی پڑھ لے گا تو اللہ رب العزت اس کی توبہ قبول
فرمالیں گے۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی کے شرابی ہونے کا ان کو
پتہ چلا تو حضرت عمرؓ نے خط لکھا کہ فلاں آیت پڑھو اور تم اپنے دوست کے لئے
توبہ کی دعا کرو۔ چنانچہ جب یہ آیت پڑھ کر اس کے قریبی دوستوں نے توبہ کی دعا کی
تو اللہ تعالیٰ نے اس کو توبہ کی توفیق عطا فرمادی۔

استغفار کے ثمرات

انسان کو چاہیے کہ اپنے گناہوں کو یاد کر کے اللہ رب العزت کے حضور استغفار
کرتا رہے، اس سے اس کی دنیا و آخرت سنور جائے گی۔ ایک شخص حضرت حسن
بصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا، حضرت! میں بہت گنہگار ہوں،
بہت ہی خطا کار ہوں، مجھے کوئی ایسا طریقہ بتائیں کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو
معاف فرمادے۔ فرمایا، جاؤ اور کثرت سے استغفار کیا کرو۔ چنانچہ وہ چلا گیا۔ کچھ
دیر کے بعد ایک اور آدمی آیا۔ اس نے کہا، حضرت! بہت غریب ہوں، رزق کی بڑی
پریشانی ہے لہٰذا دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے طیب اور پاکیزہ رزق عطا فرمادے اور
میرے مال میں برکت دے دے۔ حضرت نے فرمایا، جاؤ کثرت سے تنغفار کیا
کرو۔ وہ بھی چلا گیا۔ پھر ایک آدمی آکر کہنے لگا، حضرت! میرا ایک باغ ہے اس میں
پھل لگتا ہے، دعا کریں کہ باغ میں اچھا اور کثرت سے پھل لگے۔ فرمایا جاؤ کثرت
سے استغفار کرو، اللہ تعالیٰ کثرت سے پھل لگادیں گے۔

ایک آدمی سن رہا تھا۔ وہ بڑا حیران ہوا۔ اس نے کہا، حضرت! آپ کے ہاتھ
عجیب نسخہ آیا ہے کہ جو بندہ بھی آتا ہے اس کے جواب میں آپ فرماتے ہیں کہ کثرت
سے استغفار کرو۔ آپ یہ بتائیں کہ کیا ان سب آدمیوں کی مشکلات کے لئے صرف

ایک ہی نسخہ ہے۔ حضرت نے فرمایا، ہاں یہ نسخہ پروردگار عالم نے قرآن مجید میں بیان
فرمایا ہے کہ حضرت نوحؑ کی جب اپنی قوم سے بات ہوئی تو آپ نے فرمایا
اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ تم کثرت سے استغفار کرو اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا وہ تمہارے گناہوں
کو بخش دینے والا ہے۔ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وہ تمہارے اوپر بارشوں
کو برسانے والا ہے وَ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وہ مال سے تمہاری مدد کرے گا وَ بَنِيْنَ اور
بیٹوں سے مدد کرے گا۔ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا اور تمہارے
لئے باغات بنائے گا اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ پانی کے چشموں کو جاری کرے گا۔
سبحان اللہ! قرآن پاک کی ایک ہی آیت کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ پانچوں نعمتیں
بیان فرمادیں۔ اس لئے کثرت سے استغفار کرنے والا بندہ اللہ رب العزت کے
ہاں ہمیشہ درجہ پالیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو دنیاوی پریشانیوں سے بھی چھٹکارا عطا فرما
دیتے ہیں۔ اللہ اکبر

اللہ تعالیٰ کے باغی کے حقوق

ہم غور کریں کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی کتنی رحمتیں ہیں۔ دیکھیں کہ ہر ملک کا یہ قانون
ہوتا ہے کہ ہر شہری کے کچھ حقوق ہوتے ہیں۔ مگر دنیا کے کسی ملک میں بھی باغی کو کوئی
حق نہیں ملتا۔ ساری سزائیں اس کے واسطے ہوتی ہیں۔ ساری عطائیں اس سے ہٹالی
جاتی ہیں۔ اس کو اس ملک میں جینے کی اجازت نہیں ہوتی بلکہ کہا جاتا ہے کہ اسے
پھانسی پر لٹکادو۔ گویا باغی کے لئے دنیا کی بدترین سزائیں ہوتی ہیں۔

مگر دین اسلام وہ دین ہے جسے رحیم و کریم ذات نے بھیجا ہے۔ کتنا کرم اور
رحمت کا معاملہ فرمایا کہ اس دنیا کے ملک میں اس پروردگار کا شاہی قانون لاگو ہے۔ مگر
اس میں پروردگار عالم نے اپنے باغی کے بھی حقوق رکھ دیئے ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ
کوئی بندہ دہریہ ہو یا غیر مسلم ہو گویا وہ اللہ تعالیٰ کے قانون کا باغی ہوتا ہے۔ اس باغی کو

بھی اس ملک میں اپنی زندگی گزارنے کی اسی طرح اجازت ہے جس طرح کہ ایک عام مؤمن کو اجازت ہے اس کی جان و مال پر بھی کوئی بندہ ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ کیونکہ پروردگار عالم نے فرمایا کہ جس طرح مؤمنوں کی عزت جان اور مال محفوظ ہے اب اسلام کی سلطنت میں کفار کی جان و مال اور عزت کو ہم نے محفوظ فرما دیا ہے۔ دیکھیں کہ دین میں جبر نہیں ہے اگر کوئی دین قبول نہیں کرتا تو چاہئے تو یہ تھا کہ کہہ دیتے کہ تجھے میری زمین پر جینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ مگر نہیں، بلکہ فرمایا کہ اگر دین اختیار نہیں کرنا تو تمہاری مرضی۔ البتہ اگر تم اسی ماحول میں رہو گے تم اور تمہاری جان کو اگر کوئی نقصان پہنچائے تو اس کو وہی سزا ملے گی جس طرح کی مسلمان کی جان کو نقصان پہنچانے پر دی جاتی ہے۔ سبحان اللہ، جب فقہ کا یہ مسئلہ پڑھتے ہیں تو دل سے بات نکلتی ہے کہ

کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے

میرے دوستو! ایک وہ عورت جس کی زندگی زناکاری میں گزر گئی۔ اگر وہ ایک پیاسے کتے کو دیکھتی ہے اور اپنے دوپٹے کے ساتھ جوتا باندھ کر کنوئیں میں سے پانی نکال کر اس کے منہ میں ڈالتی ہے اور کتا پانی پی کر خوش ہوتا ہے۔ جیسے ہی خوشی کی آواز کتے کی زبان سے نکلتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس عورت کے پچھلے تمام گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔ سبحان اللہ

لمحہ فکریہ

پھر ہم اپنا معاملہ کیوں نہیں دیکھتے کہ وہ گناہ جن کی وجہ سے بسا اوقات اللہ تعالیٰ کی زمین کانپتی ہے اور زمین اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد کرتی ہے کہ اے رب کریم! تیری شان میں ایسی گستاخی، تیرے حکموں کو اس طرح توڑنے والا بندہ، مجھے اگر اجازت ہوتی تو پھٹ جاتی اور اسے نگل جاتی۔ مگر پروردگار زمین کو حکم نہیں فرماتے۔

شکلیں مسخ کرنے والے گناہ کرتے ہیں مگر رب کریم شکلوں کو پھر بھی سلامت رکھ لیتے ہیں۔ رب کریم کو ہم اتنا غصہ دلانے والے کام کرتے ہیں مگر وہ رب کریم پھر بھی اپنی رحمت کا معاملہ کئے رکھتے ہیں۔ اس کی اتنی رحمت ہے کہ اس نے اتنے گناہوں اور خطاؤں کے باوجود ہم سے بینائی نہ چھینی، گویائی نہ چھینی، سماعت نہ چھینی، عزت واپس نہ لی، ہم سے رزق واپس نہ لیا، ہم سے بیوی بچے واپس نہ لئے بلکہ ہمیں سب نعمتیں عطا کئے رکھیں۔ اللہ رب العزت عجیب انداز میں فرما رہے ہیں کہ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ تم ہر وہ گناہ چھوڑ دو جو تم کھلم کھلا کرتے ہو یا پوشیدہ کرتے ہو۔

میرے دوستو! ہم اللہ رب العزت کے اس حکم کو سن کر اپنے دلوں سے پوچھیں کہ اے دل! اپنے پروردگار کے اس حکم پر کب لبیک کہے گا؟ ہم ان گناہوں کو چھوڑ دیں کیونکہ یہ تو آگ ہے جس میں ہم اپنے ہاتھوں اپنے جسم کو جلا رہے ہیں۔ یہ تو جہنم ہے جو ہم اپنے ہاتھوں سے خرید رہے ہیں۔ آج ظاہر کے گناہوں کو چھوڑنا آسان مگر پوشیدہ گناہوں کو چھوڑنا مشکل کام۔ شیطان انسان کو امید دلاتا رہتا ہے کہ ابھی وقت باقی ہے توبہ کر لینا۔ اکمال الشیم میں ایک بزرگ فرماتے ہیں، اے دوست! تیرا توبہ کی امید پر گناہ کرتے رہنا اور زندگی کی امید پر توبہ کو مؤخر کرتے رہنا تیری عقل کے چراغ کے گل ہونے کی دلیل ہے۔ انسان کی عقل اندھی ہو جاتی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میں توبہ کر لوں مگر سوچتا ہے کہ میں کر لوں گا میں کر لوں گا اور یہی کہتے کہتے وقت اس کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ میرے دوستو! خوش نصیب ہے وہ انسان جو اپنے وقت کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اپنے ہوش و حواس کی حالت میں سچی توبہ کر لے۔ ورنہ جب موت کا معاملہ سامنے آتا ہے تو بڑے بڑوں کے پتے پانی ہو جاتے ہیں، فرعون جیسے نے بھی کہہ دیا تھا اٰمَنْتُ بِرَبِّ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ میں موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لے آیا، اس وقت تو ہر آدمی کہے گا رَبِّ ارْجِعُوْنَ اے اللہ! مجھے ایک مرتبہ لوٹا دے لَعَلِّیْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ مگر کہا جائے گا کَلَّا ہرگز نہیں۔

اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

تو اس سے پہلے پہلے اپنے گناہوں سے معافی مانگ کر ہم اپنے پروردگار کو منائیں اور اپنے رب کے سامنے سچی توبہ کرلیں۔ دیکھیں! اگر ایک غلام اپنے آقا کے سامنے پکڑ کر پیش کر دیا جائے تو کیا کرتا ہے؟ وہ معافی مانگ لیتا ہے، کہتا ہے، بس اس دفعہ معافی دے دو میں آئندہ احتیاط کروں گا۔ اس کے بعد اپنے مالک کو خوش کرنے کے لئے وہ بھاگ بھاگ کر کام کرتا ہے۔ ہم بھی بالکل اسی طرح توبہ کرلیں اور کہیں کہ اے اللہ! ہماری غلطیوں کو معاف فرما دیں، ہم آئندہ احتیاط کریں گے۔ اور اس کے بعد ہم بھاگ بھاگ کر نیکیاں کرنے والے بن جائیں تاکہ اپنے پروردگار کو ہم راضی کرسکیں۔

کتنی عجیب بات ہے کہ ہم اس پروردگار کو ناراض کر لیتے ہیں جس کے حضور ہمیں پیش ہونا ہے۔ جب اس کے پاس ہم پہنچیں گے اور اس کو ناراض کیا ہوا ہوگا تو پھر ہمارا آگے جا کر کیا معاملہ بنے گا۔ آج وقت ہے اس بات کو سوچنے کا اور گناہوں بھری زندگی چھوڑ کر نیکیوں بھری زندگی اختیار کرنے کا۔ تاکہ ہمارا حشر بھی قیامت کے دن بخشش کئے ہوئے گنہگاروں میں ہو جائے۔ وگرنہ ہم نے اپنی کشتی کو ڈبونے میں کوئی کمی تو کی ہوئی نہیں ہے۔ ہم اپنی صبح کو دیکھیں، اپنی شام کو دیکھیں، دن کو دیکھیں، رات کو دیکھیں، محفل کو دیکھیں، تنہائی کو دیکھیں، غرض اپنے ہر ہر لمحہ کو دیکھیں کہ ہم کہیں اللہ رب العزت کی نافرمانی تو نہیں کر رہے۔

میرے دوستو! یہ بات کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اپنے من میں جھانک کر دیکھیں تو ہمیں اپنی اصل تصویر نظر آجائے گی۔ یقین کیجئے کہ اپنے ضمیر کی عدالت دنیا کی سب سے بڑی عدالت ہے جو ہمیشہ سچا فیصلہ دیتی ہے۔ اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ دل وہ گواہ ہے جو کبھی کسی سے رشوت قبول نہیں کرتا۔

آج انسان کی نگاہیں کھلی ہوتی ہیں اور گردن تنی ہوتی ہے۔ یہ دوسروں کے

چہرے دیکھتا ہے، مگر اس کے پاس اپنے من کے دریچے کو کھول کر دیکھنے کی فرصت نہیں ہے۔

نہ تھی اپنے گناہوں کی جب خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنے گناہوں پہ جب نظر نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

اے کاش! یہ نگاہیں بند ہو جاتیں، گردنیں جھک جاتیں، یہ نگاہیں اپنے سینے پر پڑتیں کہ میرے اپنے اندر کیا کیا عیب ہیں۔

منہ دیکھ لیا آئینے میں پر داغ نہ دیکھے سینے میں
جی ایسا لگایا جینے میں مرنے کو مسلماں بھول گئے
جس دور پہ نازاں تھی دنیا ہم اب وہ زمانہ بھول گئے
غیروں کی کہانی یاد رہی اور اپنا فسانہ بھول گئے
تکبیر تو اب بھی ہوتی ہے مسجد کی فضا میں اے انور
جس ضرب سے دل ہل جاتے تھے وہ ضرب لگانا بھول گئے

آج اس بھولے ہوئے سبق کو دوبارہ یاد کرنے کی ضرورت ہے۔ کہاں گئے وہ نوجوان جو رات کے آخری پہر میں اٹھتے تھے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی ضربیں لگاتے تھے تو ان کے سینوں میں دل کانپتے تھے۔

؎ تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
کھویا گیا ہے تیرا جذبۂ قلندرانہ

میرے دوستو! ہم وہ نعمتیں لٹا بیٹھے ہیں۔ ہم بالکل ایسے ہی لٹے پٹے ہوئے ہیں جیسے کسی راہزن نے کسی قافلے کو لوٹ لیا ہو۔ ہم جو کماتے ہیں شیطان کسی نہ کسی راستہ میں اس کو لوٹ لیتا ہے۔ کہیں ریا کروا کے لوٹ لیا، کہیں لوگوں کی غیبت کروا کر لوٹ لیا، کسی پہ بہتان بندھوا کے لوٹ لیا، حتیٰ کہ کسی کو کسی طرح لوٹا کسی کو کسی طرح۔ مگر میرے دوستو! شیطان بڑا عیار دشمن سہی، یہ ہمیں دیکھتا ہے ہم اسے نہیں دیکھ سکتے

لیکن ہمارا پروردگار تو اسے بھی دیکھتا ہے، وہ اس پر بھی قدرت رکھتا ہے۔

یاد رکھئے ہم اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیں گے تو وہ اس مردود کو دور دھکیل دیں گے۔ ہمیں گناہوں کے سمندر اور دلدل سے نکال کر ہماری کشتی کو کنارے لگا دیں گے۔ لہٰذا ہم اس کی رحمت سے فائدہ اٹھا کر اپنے گناہوں کی سچی معافی مانگیں۔

توبہ کا دروازہ کب بند ہوتا ہے؟

میرے دوستو! اللہ رب العزت نے قانون بنا دیا ہے کہ انسان کے لئے توبہ کا دروازہ اس وقت تک کھلا رہتا ہے جب تک کہ اس کی موت کی علامات کی ابتداء نہیں ہو جاتی یا جب تک کہ سورج مغرب کی طرف سے طلوع نہیں ہو جاتا۔ اس سے پہلے جو بھی انسان معافی مانگے گا اللہ رب العزت اس کے گناہوں کو معاف فرما دیں گے۔ وہ کتنا کریم اور حوصلے والا ہے۔ واقعی اللہ تعالیٰ کو یہی زیبا ہے۔ انسان ہر ہر عمل اس کی رضا کے لئے کر لے تو اللہ تعالیٰ اس پر خوش ہو کر اس کے گناہوں کو معاف فرما دیں گے۔

باب التوبہ

یاد رکھئے، جنت کے کئی دروازے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جنت کا ہر دروازہ کبھی کھلتا ہے اور کبھی بند ہو جاتا ہے سوائے ایک دروازے کے جو کبھی بھی بند نہیں کیا جاتا۔ اس کا نام باب التوبہ ہے۔ اس دروازے سے توبہ کرنے والے کو داخل کر دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت

اللہ تعالیٰ ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ اپنے بندے کو جہنم کی آگ میں ڈالے۔ ایک مرتبہ کسی قبیلہ کے لوگوں کو مال غنیمت کے ساتھ گرفتار کر کے نبی اکرم ﷺ کی

خدمت میں پیش کیا گیا۔ لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے ایک بچہ ماں سے بچھڑ گیا۔ ماں بیچاری پریشان حال بچے کو ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ اچانک بچہ نظر آیا تو اس نے دوڑ کر بچے کو سینے سے لگا لیا۔ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا، کیا یہ ماں اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی؟ صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! ہرگز نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، جتنی اس ماں کو اپنے بچے سے محبت ہے اس سے ستر گنا زیادہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے محبت ہے۔ سوچئے، پھر اللہ تعالیٰ کیسے چاہیں گے کہ بندہ جہنم میں جائے۔

بندے کی توبہ پر اللہ تعالیٰ کی خوشی

ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ نے اسی طرح کی ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک مسافر اپنی اونٹنی پر سامان خورد و نوش لئے صحرا میں سفر کر رہا تھا۔ ایک جگہ قیلولہ کرنے کے لئے لیٹ گیا۔ تھکاوٹ کی وجہ سے گہری نیند آ گئی۔ جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اونٹنی کہیں چلی گئی۔ تلاش بسیار کے بعد وہ ناامید ہو گیا۔ اب اس پر خیال غالب آیا کہ اتنے بڑے صحرا کو پیدل چل کر عبور نہیں کر سکتا۔ نہ پینے کے لئے پانی، نہ کھانے کے لئے درخت کے پتے۔ ہر طرف ریت ہی ریت تھی۔ چنانچہ اس شخص کو موت بالکل سامنے نظر آنے لگی اور وہ موت کے انتظار میں لیٹ گیا۔ اس کے دل کی حسرت و یاس کا اندازہ کوئی کیا لگا سکے گا۔ اچانک اس کی نظر ایک طرف اٹھی تو اس کو اونٹنی واپس آتی نظر آئی۔ وہ شخص اس قدر خوش ہوا کہ وہ شوق میں کہہ بیٹھا ''یا اللہ! تو میرا بندہ میں تیرا مالک'' حالانکہ وہ کہنا چاہتا تھا ''اے اللہ! میں تیرا بندہ تو میرا مالک''۔ اس سے اس کی خوشی اور اطمینان کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ حکایت بیان کر کے فرمایا، جتنی خوشی اس مسافر کو اونٹنی کے ملنے سے ہوئی اس سے زیادہ خوشی اللہ تعالیٰ کو اس وقت ہوتی ہے جب کوئی بندہ سچی توبہ کر لیتا ہے۔ اللہ اکبر

پیغامِ مغفرت

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب شیطان کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ کہ دفع دور ہو جا، تو مردود ہے، نکل جا میرے دربار سے، تو شیطان نے اللہ تعالیٰ کے جلال اور غصہ کی حالت میں مہلت مانگی۔ کہنے لگا، رَبِّ اَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ اے اللہ! آپ مجھے قیامت تک کے لئے مہلت دے دیجئے۔ فرمایا کہ اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ تجھے مہلت دے دی۔ تو شیطان نے قسم کھا کر کہا کہ اچھا اس آدم کی وجہ سے مجھے اس دربار سے نکالا گیا۔ اے اللہ! میں اسے بہکاؤں گا ورغلاؤں گا لَا تَجِدُ اَکْثَرَهُمْ شٰکِرِیْنَ اے اللہ! تو دیکھے گا کہ ان میں سے اکثر تیرے ناشکرے ہوں گے۔

جب شیطان نے قسم کھا کر کہا تو رب کریم کی رحمت جوش میں آئی اور فرمایا، شیطان! تو قسمیں کھاتا ہے کہ میرے بندوں کو بہلا کر اور ورغلا کر میرا نافرمان بنائے گا تو ذرا میری بات بھی سن لے۔ بتقاضائے بشریت وہ گناہ کرتے رہیں گے، کرتے رہیں گے، کرتے رہیں گے، لیکن اگر اپنی موت سے پہلے میرے در پر آ کر سچی توبہ کر لیں گے تو فَبِعِزَّتِیْ وَ جَلَالِیْ مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! میں ان کی توبہ کو قبول کر لوں گا۔ شیطان نے بھی قسمیں کھائیں تو رحمان نے بھی قسمیں کھائیں۔ سبحان اللہ، اللہ تو نے ہمیں بخشنے کی قسمیں کھائیں ہوئی ہیں۔ بلکہ فرمایا لَا اُخْزِیْکُمْ وَلَا اُفْضِحُکُمْ بَیْنَ اَصْحَابِ الْحُدُوْدِ کہ میں تمہیں کافروں اور غاصبوں کے سامنے کبھی ذلیل و رسوا نہیں کروں گا۔ بلکہ اس پروردگار نے تو یہ پیغام بھی بھیجا کہ اے میرے بندے! تیرے گناہ اگر آسمان کے ستاروں کے برابر ہیں، اگر تیرے گناہ ساری دنیا کی ریت کے ذرات کے برابر ہیں، اگر تیرے گناہ ساری دنیا کے درختوں کے پتوں کے برابر ہیں تو تیرے گناہ پھر بھی تھوڑے ہیں میری رحمت اس سے بھی

زیادہ ہے تو توبہ کر لے گا تو میں تیری توبہ کو پھر بھی قبول کر لوں گا۔

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ایک بات کہی۔ فرمایا، اے میرے بندے! تو نے توبہ کی پھر توڑ بیٹھا، پھر توبہ کی پھر توڑ بیٹھا، پھر توبہ کی پھر توڑ بیٹھا، ”صد بار اگر توبہ شکستی باز آ“ میرے بندے! تو نے سو دفعہ توبہ کی اور سو ہی دفعہ توڑ بیٹھا، میرا در اب بھی کھلا ہے آ کر توبہ کر لے، تو میں تیری توبہ کو اب بھی قبول کر لوں گا۔

معیتِ خداوندی

میرے دوستو! ایک بات ذہن میں رکھئے کہ اگر انسان یہ دیکھنا چاہے کہ اللہ اور بندے کے تعلق کے بارے میں قرآن کیا بتا رہا ہے تو اسے یاد رکھنا چاہئے کہ پروردگار کے ساتھ بندے کا تعلق اتنے قرب کا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے بندو! جب تم تین ہوتے ہو تو چوتھا وہ ہوتا ہے۔ چار ہوتے ہو تو پانچواں وہ ہوتا ہے وَهُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہوتے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معیت ہر بندے کو حاصل ہے مگر اس کو پتہ نہیں ہوتا۔

ایک مثال سے وضاحت

مثال کے طور پر آپ سوئے ہوئے ہیں، آپ کا بڑا بھائی ملنے کے لئے آپ کے گھر آیا۔ آپ کی بیوی نے آپ کو جگایا مگر آنکھ نہیں کھلی کیونکہ نیند بہت گہری تھی۔ وہ کہتی ہے کہ اٹھ ہی نہیں رہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اچھا نہ جگانا البتہ صرف بتا دینا کہ بڑے بھائی ملنے آئے تھے اور میں پھر کبھی آؤں گا۔ اب یہ بندہ جب جاگے گا تو اس کو پریشانی ہوگی کہ مجھے تو بڑے بھائی سے ایک بڑی ضروری بات کرنی تھی، وہ تو چلے بھی گئے اور مجھے پتہ بھی نہ چلا۔ اسے بہت افسوس ہوگا۔ اسی طرح اللہ رب العزت کی معیت تو ہر انسان کو حاصل ہے لیکن دنیا میں وہ سویا ہوا ہے، سویا ہوا ہے، اسے احساس

نہیں ہوتا۔لیکن جب قیامت کے دن اس کی آنکھ کھلے گی اور حقیقت کا پتہ چلے گا تو اس کو افسوس ہوگا کہ اوہو! مجھے اللہ رب العزت کی اتنی معیت حاصل تھی، افسوس کہ میں سویا رہا، غفلت میں پڑا رہا اور اپنے اللہ کا دیدار نہ کرسکا۔

جنت میں حسرت

غفلت ایسی بری چیز ہے جو انسان کو جنت میں جا کر بھی حسرت دلائے گی۔ حالانکہ جنت میں تو کوئی بھی حسرت باقی نہیں رہنی چاہئے۔مگر حدیث پاک میں فرمایا گیا **لَا یَتَحَسَّرُ اَهْلُ الْجَنَّةِ اِلَّا عَلٰی سَاعَةٍ مَرَّتْ بِهِمْ لَمْ یَذْکُرِ اللّٰهَ تَعَالٰی فِیْهَا** کہ انسان کو جنت میں کسی بات پر حسرت نہیں ہوگی سوائے اپنے گزرے ہوئے اس وقت کے جو دنیا میں اس نے اللہ تعالیٰ سے غافل ہو کر گزارا تھا۔اب یہ غفلت اگر وہاں بھی جا کر حسرت پیدا کرے گی تو سوچئے کہ یہ کیسا برا کام ہے۔

قرآن مجید میں حوصلہ افزاء آیات

قرآن پاک میں کچھ آیتیں حوصلہ افزاء اور امید افزاء ہیں ۔علامہ قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں وہ آیات نقل فرمائی ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے نزدیک حوصلہ افزاء آیت

حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے پوچھا گیا کہ آپ کو قرآن پاک کی جتنی بھی آیات ہیں ان میں سے سب سے زیادہ رحمت کی آیت کونسی نظر آتی ہے؟ فرمایا کہ میرے نزدیک سب سے زیادہ امید افزاء آیت یہ ہے **قُلْ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِهٖ** کہہ دو کہ ہر ایک اپنے اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے۔اس نے کہا کہ جی اس آیت میں رحمت کی کیا بات ہے؟ فرمایا، بھئی! بندے سے عصیان (گناہ) کا صادر

ہونا ممکن ہے اور پروردگار سے غفران (بخشش) ممکن ہے۔ بندہ گناہ کرے گا تو پروردگار معاف فرمادے گا۔ بندہ اپنی کمزوریوں کی بناء پر گناہ کرے گا اور پروردگار اپنی غفاری اور رحمت کی وجہ سے اسے بخش دے گا۔

حضرت عمر ؓ کے نزدیک حوصلہ افزا آیت

کسی نے حضرت عمر بن الخطاب ؓ سے پوچھا، حضرت! آپ کے نزدیک پورے قرآن پاک میں رحمت کی آیت کونسی ہے؟ فرمایا، قرآن پاک کی وہ آیت جس میں پروردگار نے فرمایا **غَافِرِ الذَّنْبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ ذِی الطَّوْلِ** یہ آیت بڑی رحمت کی آیت ہے۔اس نے کہا کہ اس میں **شَدِیْدِ الْعِقَابِ** کا تذکرہ بھی ہے۔فرمایا، تجھے **شَدِیْدِ الْعِقَابِ** کا لفظ نظر آرہا ہے مگر یہ کیوں نہیں نظر آرہا کہ **شَدِیْدِ الْعِقَابِ** سے پہلے اس نے **غَافِرِ الذَّنْبِ** کا تذکرہ بھی کر دیا ہے۔ پروردگار تو بندوں کے گناہوں کو معاف فرما کر توبہ کو قبول فرما لیتے ہیں۔

حضرت علی ؓ کے نزدیک حوصلہ افزاء آیت

کسی نے سیدنا حضرت علی ؓ سے پوچھا، حضرت! آپ کے نزدیک قرآن میں سب سے زیادہ امید افزاء آیت کونسی ہے جس سے گنہگاروں کے دل میں بھی امید کی کرن پیدا ہو؟ آپ نے فرمایا کہ میرے نزدیک سب سے زیادہ امید افزا آیت یہ ہے۔**قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ** کہہ دیجئے میرے بندوں سے۔اب دیکھئے کہ باپ بھی بیٹے سے خفا ہو جائے تو اس بیٹے کو بیٹا تو کہتا ہے مگر ''میرا بیٹا'' نہیں کہتا۔ بیوی سے یوں نہیں کہتا کہ میرے بیٹے سے کہہ دو کہ وہ یوں نہ کرے بلکہ کہتا ہے کہ اسے کہہ دو، کہہ دو اس سے، کہہ دینا اس سے۔ نام بھی نہیں لیتا۔ یہ غصے کا اظہار ہوتا ہے۔مگر عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے گنہگار بندوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے **قُلْ یٰعِبَادِیْ** فرمایا۔

سبحان اللہ، یہ ''میرے'' کی جونسبت ہے وہ ہمارے لئے امید افزا کرن ہے، ہمارے لئے امید کا چراغ ہے۔ آگے فرمایا اَلَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ان گنہگاروں اور خطا کار لوگوں کو بھی یٰعِبَادِیَ کا لفظ ارشاد فرما رہے ہیں۔ یاد رکھنا کہ جب اتنا کچھ کے باوجود بھی وہ اللہ کے بندوں کی فہرست سے خارج نہیں ہوتے تو پروردگار پھر ان کی توبہ بھی قبول فرمالیں گے ورنہ تو بات کرنے کا انداز ہی کوئی اور اپنا لیتے۔

علامہ قرطبیؒ کے نزدیک حوصلہ افزاء آیت

علامہ قرطبیؒ یہاں آکر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ قرآن پاک کی سب سے زیادہ امید دلانے والی آیت کونسی ہے تو میں کہوں گا کہ یہ آیت ہے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وہ لوگ جو ایمان لائے وَلَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ خراب نہ کیا اُولٰٓئِکَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ان کے لئے امن ہے اور وہ ہدایت والے ہیں۔ یہاں ظُلم سے مراد شرک ہے لہٰذا اگر بندہ شرک سے بچ جائے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن اور ہدایت کی خوشخبری اسے مل جائے گی۔

حضرت اقدس دامت برکاتہم کے نزدیک حوصلہ افزا آیت

یہ عاجز ان آیات کو پڑھ رہا تھا تو ایک امید افزا آیت بندہ کے دل میں بھی آئی۔ آپ کے سامنے وہ آیت بھی پڑھتا ہوں۔ ذرا غور کیجئے گا کہ اس سے گنہگاروں کو کتنی تسلی ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ غور کیجئے کہ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ کہ بیشک توبہ اللہ کے ذمے ہے یعنی توبہ قبول کرنا اللہ کے ذمے ہے۔ کس توبہ کی قبولیت کی ذمہ داری لے رہیں؟ فرمایا لِلَّذِیْنَ ان لوگوں کے لئے توبہ کی قبولیت کی خوشخبری ہے

یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ جنہوں نے جہالت کی وجہ سے گناہ کرلیا۔ اس آیت کی تفسیر میں علماء نے لکھا ہے کہ جب شیطان مسلط ہوتا ہے اور نفس بھڑکا ہوا ہوتا ہے تو اس حالت میں بندہ جو بھی گناہ کر رہا ہوتا ہے اس وقت بندہ جاہل ہوتا ہے۔ گویا گناہ جتنے بھی کئے جہالت کی حالت میں کئے آگے فرمایا ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ پھر وہ جلدی ہی توبہ کرلیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمالیتے ہیں۔ مِنْ قَرِیْبٍ کی تفسیر کرتے ہوئے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں قَرِیْبٍ کے لفظ سے مراد یہ ہے کہ جب تک بندے کے سانس کا تانا بانا بگڑتا نہیں اور سکرات کی کیفیت طاری نہیں ہوتی اگر اس سے پہلے پہلے توبہ کرلے گا تو اس کیلئے ''قَرِیْبٍ'' کا لفظ استعمال ہوگا۔ تو گویا جس نے زندگی میں ہی توبہ کرلی وہ ''مِنْ قَرِیْبٍ'' میں شامل کرلیا جائے گا۔ اور جب ''مِنْ قَرِیْبٍ'' میں شامل ہو جائے گا تو توبہ قبول کرنا اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہو جائے گی۔ اب دیکھا کہ کتنی امید افزا آیت ہے کہ اگر آج ہم سچی توبہ کرلیں گے تو یقیناً ہم نے زندگی میں ہی توبہ کی اور یہ ''مِنْ قَرِیْبٍ'' میں شامل ہوگی۔ سبحان اللہ۔

بغیر قیمت کے نیکیوں کا غلہ

سیدنا یوسف علیہ السلام نے قحط کے دنوں میں اعلان کروا دیا تھا کہ جس کسی غریب نے گندم خریدنی ہو وہ میرے پاس آئے اور جس امیر نے گندم خریدنی ہو وہ میرے ماتحت کام کرنے والے بندوں سے جا کر خریدے۔ کسی نے پوچھا، حضرت! یہ کیا معاملہ ہے؟ فرمایا، عُمَّال تو وہی ہوتے ہیں وہ پورا پیسہ لیں گے اور برابر کا غلہ دیں گے۔ اور جن کے پاس پیسے ہی نہیں وہ میرے پاس آئیں گے تو میں ان کو بغیر قیمت کے غلہ دوں گا، وہ سوال کریں گے میں عطا کروں گا، کریم کی یہ شان ہوتی ہے کہ جو چل کے آتا ہے وہ اس کی آس کو پورا کر دیتا ہے۔ سوچئے تو سہی کہ اگر ایک نبی علیہ السلام اپنی طرف چل کر آنے والے کی آس کو اس طرح قبول فرماتے ہیں تو کیا خیال ہے

اس نبی ﷺ کے پروردگار کے بارے میں کہ جس کے پاس رحمتوں کے خزانے ہیں، برکتوں کے خزانے ہیں لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمان اورزمین کے خزانوں کی کنجیاں جن کے پاس ہیں، جب بندہ اس کے گھر چل کرآ جائے، اس کے در پر چل کرآ جائے، دل میں آس لے کرآ جائے اور توبہ کرلے تو وہ پروردگار بھی بغیر قیمت (نیکیوں) کے اس بندے کو بخشش کا غلہ عطا فرمائیں گے یا نہیں۔ انشاء اللہ ضرور عطا فرمائیں گے۔ سبحان اللہ

ایمان کی سلامتی پر فرشتوں کی مسکراہٹ

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کا خون آلود قمیص دیکھا تھا جو آپؑ کے بھائی لے کر آئے تھے اور رو بھی رہے تھے تو کہنے لگے کہ یوسفؑ کو تو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ قرآن پاک نے اس کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہا وَجَآءُوْٓا اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ۔ وہ رو رہے تھے۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے قمیص کے اوپر خون دیکھا تو اس وقت وہ بھی رو پڑے تھے کہ میرا بیٹا مجھ سے جدا ہو گیا۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ قمیص تو سلامت ہے، پھٹا ہوا نہیں ہے تو اپنے دل میں سوچ کر مسکرا پڑے تھے کہ یہ لگتا ڈھونگ ہی ہے، میرے بیٹے کو بھیڑیئے نے نہیں کھایا۔ یہ کپڑا سلامت ہے یہ اس کی دلیل ہے کہ میرا یوسف بھی سلامت ہے۔ حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ جب فرشتے بندے کو گناہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو بسا اوقات اللہ کے فرشتے بھی رو پڑتے ہیں کہ یہ بندہ کتنی غفلت میں پڑ گیا، اس پروردگار کی نافرمانی کر رہا ہے۔ لیکن پھر جب ان کو بندے کے دل میں ایمان سلامت نظر آتا ہے تو وہ ایمان کی سلامتی دیکھ کر مسکرانا شروع کر دیتے ہیں۔

کریم پروردگار کے کرم کی انتہا

جب بندہ نوے سال کا ہو جاتا ہے تو اس کی کمر جھک جاتی ہے اور وہ ہڈیوں کا

ڈھانچہ بن جاتا ہے، پیٹ میں آنت نہیں رہتی، منہ میں دانت نہیں رہتے، اس حالت میں لوگ اس کی بات سننا گوارا نہیں کرتے، وہ ہر وقت کھانستا رہتا ہے، لوگ اسے اپنی جگہ سے اٹھا دیتے ہیں، گھر میں کوئی بھی اس کی قدردانی کرنے والا نہیں ہوتا، کوئی پاس بٹھانے والا نہیں ہوتا، اس کی کوئی Value (قدر) نہیں ہوتی......اس وقت اگر وہ محسوس کرتا ہے کہ میں نے اب تک گناہ کیئے، مالک کو ناراض کیئے رکھا، میں اب اس نوے سال کی عمر میں اپنے مالک کو راضی کر لیتا ہوں، اگر وہ لاٹھی کے سہارے کپکپاتا ہوا اللہ کے در پر حاضر ہو جاتا ہے اور اللہ سے معافی مانگتے ہوئے کہتا ہے کہ اے مالک! میں اب تک بھولا رہا، اے اللہ! میں بڑی دور سے آیا ہوں اور بڑی دیر سے آیا ہوں، میں نے کوئی نماز نہیں پڑھی، میں نے اپنی پوری زندگی گناہوں میں گزار دی، اے اللہ! میں جوانی لٹا بیٹھا، مال لٹا بیٹھا، میرا حسن و جمال زائل ہو گیا، اے اللہ! اب تو کوئی بھی میری بات نہیں سنتا، دنیا میں میرا کوئی بھی اپنا نہیں۔ اے اللہ! اس حال میں تیرے سامنے آیا ہوں۔ رب کریم اس سے یہ نہیں پوچھتے کہ میرے بندے! اب کیا لینے آئے ہو؟ تمہارے پاس کیا بچا ہے؟ یہ بالکل نہیں پوچھتے بلکہ فقط اسکے آنے کی قدردانی فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میرے بندے! تو چل کے آ گیا ہے، ہم تیرے چل کے آنے کو قبول کر کے تیرے گناہوں کو فقط معاف ہی نہیں کرتے بلکہ ہم اتنے کریم ہیں کہ تیرے کیئے ہوئے گناہوں کو تیری نیکیوں میں تبدیل فرما دیتے ہیں۔ سبحان اللہ۔

ایک سبق آموز واقعہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک بوڑھا آدمی مسلمان ہوا اور تابعین میں سے بنا۔ اس نے اپنی پہلی زندگی گانا گانے میں گزار دی تھی۔ اس کی آواز بڑی اچھی تھی۔ جب وہ گانا گاتا تھا تو لوگ اس کے فین تھے۔ اس کے گرد سینکڑوں لوگوں کا مجمع

ہوتا تھا۔ اس کی آمدنی بے شمار تھی۔ اس کی اولاد نہیں تھی اور اس کی بیوی بھی فوت ہو گئی۔

جب وہ بوڑھا ہو گیا تو دانت گر گئے جس کی وجہ سے وہ گا ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کی آمدنی کا ذریعہ ختم ہو گیا۔ وہ مانگنے کے لئے واقف لوگوں کے پاس جاتا رہا۔ وہ کچھ عرصہ تو اسے دیتے رہے لیکن کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے بھی ان کو نہ کر دی۔ جب سب دوستوں نے نہ کر دی تو کئی کئی دن تک کھانے کو نہ ملتا۔ اس کو اپنی جوانی یاد آتی کہ میں اتنا حسین تھا، میری آواز کوئل کی مانند تھی، جب میں گاتا تھا تو ہزاروں لوگ میری آواز پر مرتے تھے اور میری جھلک دیکھنے کو ترستے تھے لیکن آج میں دھکے کھاتا پھرتا ہوں اور کوئی بندہ مجھے ایک وقت کا کھانا دینے کو بھی تیار نہیں ہے۔ اس بڑھاپے، کمزوری اور بھوک کی حالت میں اس کا دل بڑا ہی کھٹا ہوا۔ اس نے سوچا کہ کاش! یہ راتیں میں اللہ کے لئے جاگا کرتا تو اللہ تعالیٰ تو مجھے بھی اپنے دربار سے نہ دھتکارتے، لیکن میں نے تو اپنی جوانی ضائع کر دی۔ نہ حسن و جمال رہا، نہ مال رہا اور نہ ہی کچھ اور میرے پلے رہا، اب میں رب کو کیسے مناؤں۔

چنانچہ وہ اسی سوچ میں گم ہو کر جنت البقیع میں چلے گئے اور قبروں کے درمیان ایک جگہ بیٹھ کر اپنی جوانی کو یاد کر کے رونے لگ گئے۔ انہوں نے روتے روتے دعا مانگی،

"رب کریم! میں نے اپنی جوانی ضائع کر دی، اب میرے پاس کچھ بھی نہیں کہ میں آپ کے حضور پیش کر سکوں، میرے منہ میں دانت نہیں، پیٹ میں آنت نہیں، اب میں بوڑھا ہوں، لاٹھی کے سہارے چل کے آیا ہوں، نہ آنکھوں میں بینائی ہے نہ کانوں میں سماعت ہے، اے مالک! اب میں شرمندہ ہوں مگر میں یہاں آ کر بیٹھا ہوں تاکہ میں اپنی قبر کے قریب ہو جاؤں۔"

یہ واقعہ مولانا رومؒ نے لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب وہ آدمی اپنے گناہوں

پر نادم و شرمندہ ہو کر رویا تو اس کی آنکھ لگ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اٹھا تو دیکھا کہ سامنے سے ایک آدمی چلا آ رہا ہے۔ جب اس نے دیکھا تو وہ امیر المومنین سیدنا عمرؓ تھے اور انہوں نے اپنے سر کے اوپر کچھ اٹھایا ہوا تھا۔ وہ ڈر گیا کہ اب امیر المومنین آ گئے ہیں، وہ تو مجھ جیسوں کا درے سے انتظام کرتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ مجھے بھی چند درے لگ جائیں۔

حضرت عمرؓ نے اسے دیکھا اور کچھ آگے چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد لوٹ کر دوبارہ اس کی طرف آئے۔ جب اس نے انہیں دوبارہ اپنی طرف آتے دیکھا تو اور زیادہ ڈر گیا کہ یہ پھر میری طرف آ رہے ہیں، پتہ نہیں میرا کیا بنے گا۔ جب حضرت عمرؓ اس کے پاس آئے تو انہوں نے وہ گٹھڑی اپنے سر سے اتار کر اس کے سامنے رکھی اور فرمانے لگے، "بھائی کھانا کھاؤ۔"

وہ بوڑھا حیران ہوا کہ امیر المومنین مجھے کھانا پیش کر رہے ہیں۔ اس نے پوچھا، "اے امیر المومنین! آپ میرے لئے کھانا کیسے لائے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا، "دوپہر کا وقت تھا، میں قیلولہ کر رہا تھا کہ میں نے خواب دیکھا، مجھے خواب میں اللہ رب العزت کی طرف سے پیغام دیا گیا کہ میرا ایک دوست قبرستان میں پریشان بیٹھا ہے، وہ بھوکا ہے، عمر! جاؤ اور میرے اس دوست کو کھانا کھلا کے آؤ، جب میری آنکھ کھلی تو میں نے سوچا کہ اللہ کا دوست ہے، چنانچہ میں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ جو کھانا تیار ہے وہ دے دو، اس نے کھانا باندھ دیا، میں نے کہا کہ میں اللہ کے دوست کی طرف جا رہا ہوں، لہٰذا کھانا ہاتھوں میں اٹھا کر نہیں بلکہ اپنے سر پر اٹھا کے لے جاتا ہوں تاکہ اللہ کے دوست کا اکرام ہو سکے، اس لئے عمر کھانا سر پر اٹھا کر آیا ہے، اے اللہ کے دوست کھانا کھا لو۔"

جب اس نے یہ سنا تو کہنے لگا، اچھا، میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے اپنے رب کے سامنے توبہ کی تھی، میرا پروردگار کتنا کریم ہے کہ اس نے میرے تمام گناہوں کے

باوجود میری ندامت کو قبول کر لیا اور وقت کے امیر المؤمنین کو خواب میں حکم دیا کہ جاؤ، میرے دوست کو کھانا کھلا کے آؤ، اے اللہ! تو کتنا کریم ہے۔

اس بات کو سن کر وہ بوڑھا اتنا رویا کہ وہیں روتے روتے حضرت عمرؓ کے سامنے اس نے اپنی جان اللہ کے حوالے کر دی...... اللہ اکبر...... اللہ رب العزت بڑے کریم ہیں۔

ایک سبق آموز حکایت

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک شاگردہ تھی۔ وہ آپ کے حلقۂ درس میں آیا کرتی تھی۔ اس کو جب کبھی کوئی مسئلہ پیش آتا تو آپ سے مسئلہ پوچھتی تھی۔ اس کا ایک ہی نوجوان بیٹا تھا اور وہ گناہوں بھری زندگی گزار رہا تھا۔ وہ حضرتؒ سے پوچھتی کہ حضرت! میں کیا کروں؟ حضرتؒ اسے سمجھاتے کہ اسے یوں سمجھاؤ اسے یوں سمجھاؤ۔ مگر اس نوجوان پر کوئی اثر بھی نہ ہوتا تھا۔ حتی کہ ایک لمبی مدت گزر گئی۔ اس کے باوجود وہ نوجوان گناہوں سے باز نہ آیا۔ ماں تو پھر ماں ہوتی ہے وہ ہر چند دنوں کے بعد کہتی کہ حضرت! دعا کیجئے، حضرت! دعا کیجئے۔ حضرتؒ بھی بڑا عرصہ دعائیں کرتے رہے۔ حتی کہ ان کے دل میں عجیب سی کیفیت پیدا ہوگئی اور حضرت سمجھے کہ اب اس بندے کے لئے شاید راہ راست پر آنا مشکل ہے۔ گویا نا امید سے ہو گئے۔

ایک دن وہ نوجوان بیمار ہوا اور اس کی بیماری بڑھ گئی۔ حتی کہ اس کو موت قریب نظر آنے لگی۔ موت کی علامات دیکھ کر اس نوجوان نے اپنے اندر محسوس کر لیا کہ اب ٹائم تھوڑا ہے تو اس نے اپنی ماں کو بلایا اور کہا، امی! میرا وقت اب تھوڑا رہ گیا ہے۔ میں حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جا نہیں سکتا اور آپ مجھے اٹھا کر لے جا نہیں سکتیں اس لئے میرا دل کہتا ہے آپ ہی ان کے پاس جائیں اور عرض کریں کہ آپ یہاں تشریف لائیں، مجھے توبہ کا طریقہ بھی بتائیں اور جب میں فوت ہو جاؤں تو میرا جنازہ

بھی آپ ہی پڑھا دینا۔

چنانچہ ماں بھاگی بھاگی گئی اور اس نے جا کر کہا کہ اس کی تو حالت غیر ہو رہی تھی۔ اس وقت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حدیث، تفسیر یا لوگوں کو مسائل کے جواب دے رہے تھے۔ جب اس نوجوان کی حالت سنی تو انہوں نے سوچا کہ وہ تو ایسا ہی ہے۔ اتنے سال تک سمجھاتے رہے مگر اس پر اثر ہی نہ ہوا۔ لہٰذا فرمانے لگے، جا میں اس کے پاس نہیں آتا، اس نے توبہ نہیں کرنی اور اس کا جنازہ بھی کسی اور سے پڑھوا لینا، مجھے اور بڑے کام ہیں۔ ماں یہ سن کر واپس چلی گئی اور اس نے جا کر کہا، بیٹا! حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نہ تیرے پاس آنے کو تیار ہیں اور نہ تیرا جنازہ پڑھانے کو تیار ہیں۔

جب نوجوان نے یہ سنا تو اس کے دل پر ایک چوٹ پڑی کہ اوہو! میں تو اتنا برا ہوں کہ ایسے ایسے علماء اور مشائخ بھی مجھ سے بدظن ہو گئے ہیں، نہ میری طرف چل کر آنا قبول کرتے ہیں اور نہ ہی میرا جنازہ پڑھانے کے لئے تیار ہیں۔ چنانچہ کہنے لگا، امی! اگر حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ میرا جنازہ پڑھانے کے لئے تیار نہیں تو آپ میری ایک وصیت سن لیں۔ اس نے کہا، بیٹا! کیا وصیت ہے؟ بیٹے نے کہا، امی! جب میری روح نکل جائے تو آپ اپنے اس دوپٹے کو میرے گلے کے اندر پھندے کی طرح ڈال لینا اور میری لاش کو زمین کے اوپر گھسیٹنا تا کہ دنیا والوں کو پتہ چل سکے کہ جو اللہ کا نافرمان ہوتا ہے اس کی گردن میں پٹے ڈال کر گھسیٹا جاتا ہے۔ امی! شاید میری یہی ذلت ہی اللہ تعالیٰ کو پسند آجائے اور میری بخشش کر دی جائے۔ اس نوجوان نے یہ کہا اور اس کی روح قبض ہوگئی ماں رو رہی تھی کہ بیٹا کیا کہہ کر مرا ہے۔

ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ جب وہ دروازے پر گئی تو دیکھا کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہیں۔ پوچھا، حضرت! آپ کیسے تشریف لائے؟ فرمایا، جب تو آ گئی تھی تو میں سو گیا تھا۔ جیسے ہی میں سویا تو مجھے خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت نصیب ہوئی۔ فرمایا، اے حسن بصری! تو میرا دوست ہونے کا دعویٰ

کرتا ہے اور میرے ایک ولی کا جنازہ پڑھانے سے انکار کرتا ہے تو میرا کیسا ولی ہے؟
اسی وقت میری آنکھ کھلی۔ میں سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے بیٹے کی توبہ کو قبول کر لیا
ہے۔

ایک کفن چور کی سچی توبہ

فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے تنبیہ الغافلین میں ایک واقعہ لکھا ہے۔
فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضری کے لئے آئے تو راستے میں انہوں نے ایک نوجوان کو دیکھا جو بہت زار و قطار رو رہا تھا۔ اس کو روتا دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل پسیج گیا۔ انہوں نے پوچھا، اے نوجوان! کیا ہوا؟ وہ کہنے لگا، میں ایک بڑے گناہ کا مرتکب ہو گیا ہوں، اب میں اللہ کے عذاب سے ڈر رہا ہوں کہ میں کیا کر بیٹھا۔ سخت پریشان ہوں، لہٰذا آپ میری مہربانی فرما کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں میری سفارش فرما دیجئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ بھی رو رہے تھے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، عمر! آپ رو کیوں رہے ہیں؟ عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا تھا، راستے میں ایک نوجوان کو دیکھا جو کوئی بڑا گناہ کر بیٹھا تھا۔ وہ بہت رو رہا تھا۔ اس کی آہ و زاری نے مجھے بھی رلا دیا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، عمر! اس کو اندر بلا لو۔ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اندر آنے کی اجازت مرحمت فرما دی تو وہ نوجوان آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہاں بھی رونا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، اے نوجوان! کیا ہوا؟ اس نے کہا، اے اللہ کے نبی ﷺ! میں بہت بڑا گناہ کر بیٹھا ہوں۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کیا تیرا گناہ بڑا ہے یا اللہ کا عرش بڑا ہے؟

وہ کہنے لگا، اے اللہ کے نبی ﷺ! میرا گناہ بڑا ہے۔
نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تیرا گناہ بڑا ہے یا کرسی بڑی ہے؟
وہ کہنے لگا، اے اللہ کے نبی ﷺ! میرا گناہ بڑا ہے۔
نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کیا تو نے شرک کا ارتکاب کیا ہے؟
اس نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! میں نے شرک کا ارتکاب تو نہیں کیا۔
نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کیا تو نے اللہ کے کسی بندے کو قتل کر دیا ہے؟
اس نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! میں نے کسی بندے کو قتل بھی نہیں کیا۔
نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تو پھر ایسا کون سا گناہ ہے کہ جس کو تو اتنا بڑا سمجھ رہا ہے؟

اس نے عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! میرا گناہ بہت بڑا ہے۔ میں کئی سالوں سے کفن چوری کا کام کرتا تھا۔ مردوں کے کفن اتار کر بیچتا اور اپنی ضرورت پوری کرتا۔ چند دن پہلے انصار کی ایک نوجوان لڑکی دفن کی گئی۔ میں نے اپنی عادت کے مطابق رات کو جا کر اس کا کفن اتارا اور جب کفن اتار کر جانے لگا تو مجھ پر شیطان غالب آیا اور اس نے میری شہوت کو ابھار دیا۔ میں واپس پلٹا اور میں نے اس مردہ لڑکی کے ساتھ زنا کیا...... جب میں زنا کر کے اٹھنے لگا تو مجھے یوں آواز آئی کہ جیسے وہ لڑکی بول رہی ہے اور کہہ رہی ہے کہ اے اللہ کے بندے! تو نے مجھے مردوں کے مجمع میں ننگا کر دیا اور کل قیامت کے دن اللہ کے حضور حالتِ جنابت میں کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا...... اب اس آواز کی وجہ سے میرے دل پر ایسا رعب ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور میں اللہ کی پکڑ میں ہوں۔

جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ سنا تو آپ ﷺ کو بھی بڑا تعجب ہوا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے تو بہت بڑا گناہ کیا ہے۔ تو مردہ لڑکی کے ساتھ ایسا سلوک کیا......!!! جب اللہ کے محبوب ﷺ نے بھی فرما دیا کہ یہ ایک بڑا گناہ ہے تو

وہ نوجوان اٹھا اور روتا ہوا باہر چلا گیا۔ اس نے سوچا کہ اس وقت اللہ کے محبوب ﷺ ناراض ہیں۔ کہیں کوئی ایسی بات آپ ﷺ کے پیارے منہ سے نہ نکل جائے جو میری بربادی کا سبب بن جائے۔ اس لئے وہ باہر چلا گیا۔

جب وہ وہاں سے نکلا تو سیدھا پہاڑوں میں چلا گیا۔ وہ نوجوان چالیس دن تک نمازیں پڑھتا رہا، سجدے کرتا رہا اور معافی مانگتا رہا۔ اس کے دل کو آگ لگی ہوئی تھی۔ وہ رو رو کر اللہ تعالیٰ کو مناتا رہا۔ وہ اللہ کے سامنے عاجزی کرتا کہ اے میرے مالک! میں آپ کے محبوب ﷺ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا اور انہوں نے بھی فرمایا کہ یہ تو بہت بڑا گناہ ہے، اے اللہ! میں اب کہاں جاؤں؟ میرا تو تیرے سوا کوئی نہیں ہے۔ جیسے کہ کہنے والے نے کہا:

ے میں تیرے سامنے جھک رہا ہوں خدا
میرا کوئی نہیں اللہ تیرے سوا
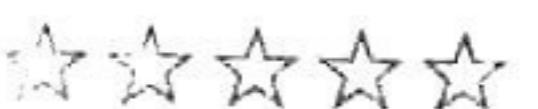
جب اس نے چالیس دن معافی مانگی اور اللہ تعالیٰ کو منایا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے۔ جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کی خدمت میں اللہ تعالیٰ کے سلام پیش کئے اور عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! اللہ رب العزت نے پوچھا ہے کہ اے محبوب ﷺ! بتایئے کہ کیا مخلوق کو آپ نے پیدا کیا ہے یا میں نے پیدا کیا ہے؟

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، اللہ رب العزت نے مجھے بھی اور ساری مخلوق کو بھی پیدا فرمایا۔

پھر جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ کیا مخلوق کو آپ رزق دیتے ہیں یا میں دیتا ہوں؟

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، مجھے بھی اور ساری مخلوق کو بھی اللہ رب العزت ہی رزق عطا فرماتے ہیں۔

جب یہ باتیں ہوگئیں تو تیسری بات پوچھی گئی کہ مخلوق کو میں نے معاف کرنا ہے یا کسی اور نے کرنا ہے؟

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، اللہ رب العزت ہی نے مخلوق کے گناہوں کو معاف کرنا ہے۔

جب محبوب ﷺ نے یہ فرمایا تو جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اللہ رب العزت نے پیغام بھیجا ہے کہ اے محبوب! اس بندے نے میرے سامنے رو رو کر اتنی معافی مانگی کہ میں نے اس بندے کے گناہ کو معاف کر دیا...... سبحان اللہ، سبحان اللہ

کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے

...... پھر اللہ کے محبوب ﷺ نے صحابی کو بھیجا کہ اس نوجوان کے پاس جاؤ اور اس کو خوشخبری سنا دو کہ تیری عاجزی اللہ رب العزت کے ہاں قبول ہوگئی اور پروردگار نے تیری مغفرت کا پیغام بھیج دیا ہے۔

خلاصہ کلام

رب کریم اتنے مہربان ہیں کہ جب بندہ پستی و ضلالت کی آخری حدوں کو [illegible] جاتا ہے، گناہوں کے انبار کے نیچے دب جاتا ہے لیکن پھر بھی اپنے پروردگار کے سامنے نادم ہوتا ہے، شرمندہ ہوتا ہے تو رب کریم اس کے دامن کو بھی مرادوں سے بھر دیتے ہیں۔ سارے مخلوق مایوس ہو جاتی ہے، دنیا سمجھتی ہے کہ یہ گناہ معافی کے قابل نہیں مگر پروردگار مایوس نہیں ہوتے پھر بھی اس کا یہ قول (فرمان) ہے یا ایہا الانسان ما غرک بربک الکریم او میرے انسان! تجھے تیرے کریم رب سے کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا۔

میرے دوستو! جب پروردگار اتنا کریم ہے تو ہم یہاں [illegible] اٹھائیں اور گناہوں سے معافی مانگ لیں۔ زندگی میں توبہ کرنے [illegible] اختیار کی حالت

میں توبہ کرلیں۔ یہ نہ ہو کہ یہ گھڑی چلی جائے۔ موت کا کسی کو پتہ نہیں۔کوئی کیا جانتا ہے کہ اسے دن میں موت آئے گی یا رات میں موت آئے گی۔آج کی اس محفل کو غنیمت سمجھتے ہوئے اپنے پروردگار کے عفوودرگزر سے فائدہ اٹھالیجئے۔حساب بے باق کروالیجئے۔گناہوں کے پہاڑ جوسر پر اٹھار کھے ہیں ان کو اتار پھینکئے۔کب تک ہم اللہ سے غافل رہیں گے،ہم پروردگار سے بیگانے بن کر زندگی گزاریں گے۔ارے جس کا کھائیے اسی کے گیت گائیے۔آئیے! اپنے پروردگار کے دروازے پر جھک جائیے۔اپنے پروردگار سے صلح کرلیجئے۔پہلے شیطان نے بہکائے رکھا آج رحمان بلا رہا ہے بلکہ پوچھ کر فرما رہا ہے یَآ اَیُّهَا الْاِنْسَانُ اومیرے انسان! مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْم تجھے تیرے کریم پروردگار سے کس چیز نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ جب ہم توبہ کریں گے تو رب کریم کی رحمت جوش میں آئے گی اور اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو معاف فرما کر ہمیں اپنے پسندیدہ بندوں میں شامل ہونے کی توفیق نصیب فرمادیں۔(آمین ثم آمین)

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ٥

☆☆☆☆☆